Regd.# MC-1366
دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار
• جلد 15 / • شمارہ 8 / • مارچ / 2026

ماہنامہ فہمِ دین

ماں کی گود

ولی بننے کا موقع

پہلی عید

حیا

کیا کھویا، کیا پایا؟

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
91400056741
Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM TECH PARK

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

فری آئی ٹی کورسز

FREE IT COURSES

WHATSAPP: **+92 333 0189367**

EMAIL: **techpark@baitussalam.org** WEBSITE: **baitussalam.org/tech-park**

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

مارچ 2026ء | رمضان / شوال 1447ھ

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مدیر: قاری عبدالرحمن
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

فہم و فکر

کیا کھویا کیا پایا؟ — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06
آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

رمضان کی برکتیں — ریا انور رضوان — 10
بدلتی عید — حفصہ سلطان — 11
ڈگریاں یا مہارت کے ثبوت — عذرا خالد — 12
ماں کی گود — ارشد وحید — 14
پرندوں کے رنگ — انشراح شیخ — 15
خاموش صدائیں — ام رومان — 16
فیٹی لیور — ڈاکٹر قدسیہ — 16
ناریل — حکیم شمیم احمد — 18
عید النظر رحمت کا پیغام — ام سلمیٰ احمد — 19

خواتینِ اسلام

سکینہ منزل کی رونقیں — نازیہ شعیب — 21
محبت کی جیت — ثانیہ ساجد — 22
عید میں سوگ — انیسہ عائش — 24
سنت نبوی — مہوش اسد شیخ — 25
پہلی عید — میمونہ عظیم — 27
شیطان کے سر پہ خاک — ام محمد سلمان — 28
کارواں اجڑ گیا — سعدیہ اجمل — 29
حیا — حفصہ فیصل — 31
عبادت میں نیا پن — عمرانہ نعمت اللہ — 32

باغچہ اطفال

نیکی کا سفر — قانتہ رابعہ — 35
روبوٹیکس پر حکومت — آمنہ عبدالباسط — 36
موثر حل — تنزیلہ احمد — 37
فن پارے — 40
غرور کی جنت — ڈاکٹر الماس روحی — 38
ماچس کی تیلی — تحریم عبدالرحیم — 39
ایثار — مریم رضوان — 39
انعامات ہی انعامات — 41

بزمِ ادب

کرے مبارک یہ عید۔۔۔اللہ — حافظہ وسطیٰ چودھری — 42
مبارک ہو عید پیارو!! — حافظہ سویرا چودھری — 43
قلم پارے — ترتیب: محمود سیماب — 44

اخبار السلام

اخبار السلام — ادارہ — 50

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

C-26 گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

کیا کھویا، کیا پایا؟

رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ جاری وساری ہے۔ عشرۂ رحمت تمام ہو چکا، مغفرت کا عشرہ چل رہا ہے اور جہنم سے خلاصی کا عشرہ آنے کو ہے۔ مسلمان روزے کے ساتھ ساتھ نوافل، تلاوتِ قرآن کریم، استغفار، دُرود شریف اور ذکرِ الٰہی کا معمول جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حسبِ استطاعت صدقہ وخیرات کی توفیق بھی کسی نہ کسی درجے میں ہو ہی رہی ہے۔ نیکیاں کرنے کا جذبہ موجزن ہے، اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں پر ندامت کا اظہار بھی کیا جارہا ہے۔ رات میں لمبے لمبے سجدے ہو رہے ہیں، سحری وافطاری میں ربِ کریم سے مغفرت کی طلب اور اپنے سمیت دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے دعاؤں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

آخری عشرے میں اعتکاف جیسی عظیم عبادت کا ارادہ بھی لاکھوں مسلمانوں نے کر رکھا ہوگا اور وہ اس کی تیاری میں مشغول ہوں گے۔ اعتکاف دراصل اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ سے لگ جانے اور سب رشتے ناتے توڑ کر رب سے ناتا جوڑنے کا نام ہے۔ اسی جذبے کے ساتھ اعتکاف کرنے والے نجی، گھریلو، کاروباری اور دفتری مصروفیات کے جھنجھٹ سے جان چھڑا کر رمضان کا آخری عشرہ مسجد میں گزارنے چلے آتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑی قربانی ہے۔ پھر آخری عشرے میں شبِ قدر کی طلب اور تڑپ مسلمانوں کو بے چین رکھتی ہے۔ رت جگے ہوتے ہیں؛ بہ ظاہر انتہائی گئے گزرے لوگ، جاں بلب بیمار، ضعیف وناتواں، سبھی اللہ تعالیٰ کو منانے اور اس کی رِضا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یقیناً آخری عشرہ اسی دولت کو سمیٹنے کا نام ہے۔

جہنم سے خلاصی کا یہ موقع ملے اور انسان محروم رہ جائے، اسے بدنصیبی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بلکہ ایسے شخص کے لیے تو رحمت اللعالمین ﷺ نے سید الملائکہ (حضرت جبرائیل علیہ السلام) کی بددعا پر آمین کہی ہے، جو اس موقع کو پائے اور پھر بھی غفلت کی چادر تانے رہے۔ اس کے بدنصیب ہونے میں بھلا کیا شک ہو سکتا ہے؟ آخری عشرہ مکمل ہونے پر جب رمضان رخصت ہوتا ہے تو "لیلۃ الجائزہ" (انعام کی رات) آتی ہے، جو اللہ کے حضور سرخرو ہونے والوں میں شامل ہونے کا بہترین موقع ہے۔

آیئے! اپنا جائزہ لینے کی فکر کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں، دل ٹٹولتے ہیں، جانچتے اور پرکھتے ہیں کہ ہم نے اس ماہِ مبارک میں کیا کھویا اور کیا پایا؟ ہر شخص اپنی حالت اور کیفیت سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ دل ودماغ میں کیا چل رہا ہے اور کس کام کے پیچھے کیا نیت ہے، ہر شخص اپنی بابت خوب آگاہ ہے۔ ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ کیا ہم صرف بھوکے پیاسے رہے یا روزے کے تقاضوں کا بھی خیال رکھا؟ تقویٰ کی دولت پانے کے لیے لڑنے جھگڑنے، غیبت، جھوٹ اور بدگمانی سے خود کو کتنا محفوظ رکھا؟ بدنگاہی سے بچاؤ ہوا یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہاتھ میں تسبیح اور زبان پر استغفار ہو، مگر آنکھیں اور کان سوشل میڈیا کے ذریعے گناہوں کی لذت میں مگن ہوں!! دیانت اور امانت کا کتنا پاس رکھا؟ خریدار ہوں یا بیوپار، مالک ہوں یا ملازم؛ کیا ہم رزقِ حلال کی فکر میں پورے اترے یا جہاں سے جو ملا اسے لوٹنے اور لپیٹنے کے چکر میں رہے!

پہلے عشرے میں رحمتِ الٰہی کے حصول کی کتنی تڑپ رہی؟ اب دوسرا عشرہ جو مغفرت کا ہے، کیا اس میں توبہ صرف زبان تک محدود ہے یا ندامت اور شرمندگی کے ساتھ جسم کا ایک ایک رونگٹا استغفار کر رہا ہے۔ تیسرے عشرے میں جہنم سے خلاصی کے لیے کیا لائحہ عمل ہے؟ شبِ قدر میں صرف جاگنا مقصود ہے یا رب کی رِضا؟ آخری عشرے کی راتیں مصلے پر گزریں یا بازاروں میں؟ مصلے پر صرف جسم تھا یا دل ودماغ جسم کے ہم آواز تھے۔

رمضان گزر گیا، لیلۃ الجائزہ آگئی۔ اب یہ رات خدانخواستہ ایسے تو نہیں گزر رہی کہ پچھلے گناہ معاف ہو چکے اور اللہ تعالیٰ کریم ورحیم ہیں، ہم پھر توبہ کر لیں گے، ابھی عید کی رات کے مزے تو لوٹ لیں۔ کیا چاند رات بدنظری اور فحش کلامی کی نذر ہو گئی؟ کیا عید کی صبح فجر کی نماز نصیب ہوئی یا نہیں؟ عید پر عزیز واقارب سے صرف رسمی گلے ملے یا دل بھی صاف ہوئے؟ معافی صرف زبان سے مانگی یا دل سے؟ یاد رکھنا چاہیے معافی مانگنا پھر بھی آسان ہے، معاف کرنا بہت مشکل۔ کیا ہم نے معافی مانگنے والوں کو سچے دل سے معاف کیا!

درحقیقت ہر شخص اپنے نامۂ اعمال کا محاسبہ روزانہ کر سکتا ہے اور اسے کرنا بھی چاہیے۔ لیکن کم از کم رمضان کے اختتام پر تو یہ جانچ پرکھ لازمی ہے کہ ہم رمضان سے پہلے کیسے تھے اور اب کیسے ہیں؟ ہماری عبادات میں خلوص تھا یا دکھاوا؟ اگر زندگی میں واقعی تبدیلی نہیں آئی، تو کب آئے گی؟ اگر ہمیں اپنے احتساب کی عادت پڑ جائے، گناہ چھوڑنے اور نیک بننے کے لیے اللہ سے مانگنے کا سلیقہ آجائے، تو ان شاء اللہ معافی بھی ملے گی اور رب کی رضا بھی۔ ورنہ ہماری بدنصیبی پر رونے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

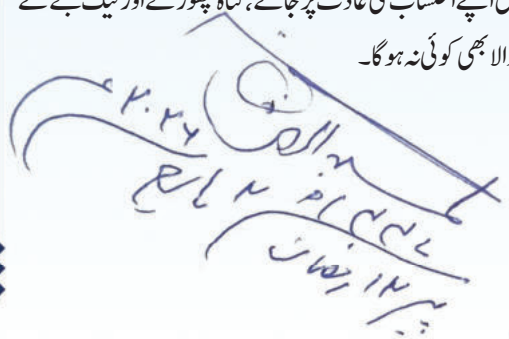

فہمِ قرآن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

الانعام 126-129

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ 126

ترجمہ: اور یہ (اسلام) تمہارے پروردگار کا (بتایا ہوا) سیدھا سیدھا راستہ ہے، جو لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں، اُن کے لیے ہم نے (اس راستے کی) نشانیاں کھول کھول کر بیان کردی ہیں۔ 126

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ 127

ترجمہ: اُن کے پروردگار کے پاس سکھ چین کا گھر ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں، اُن کی وجہ سے وہ خود ان کا رکھوالا ہے۔ 127

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ 128

ترجمہ: اور (اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن اللہ ان سب کو گھیر کر اکٹھا کرے گا اور (شیاطین جنات سے کہے گا کہ:) اے جنات کے گروہ! تم نے انسانوں کو بہت بڑھ چڑھ کر گمراہ کیا اور انسانوں میں سے جو اُن کے دوست ہوں گے، وہ کہیں گے: "اے ہمارے پروردگار! ہم ایک دوسرے سے خوب مزے لیتے رہے ہیں اور اب اپنی اُس میعاد کو پہنچ گئے ہیں جو آپ نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔"

اللہ کہے گا: "(اب) آگ تم سب کا ٹھکانا ہے، جس میں تم ہمیشہ رہو گے، الّا یہ کہ اللہ کچھ اور چاہے۔ یقین رکھو کہ تمہارے پروردگار کی حکمت بھی کامل ہے علم بھی کامل۔ 128

تشریح نمبر 1: انسان تو شیطانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ ان کے بہکائے میں آکر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی اور وہ گناہ کیے جن سے ظاہری طور پر لذّت حاصل ہوتی تھی اور شیطان انسانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ انھیں گم راہ کر کے خوش ہوئے کہ یہ لوگ خوب اچھی طرح ہمارے قابو میں آگئے ہیں۔ دراصل وہ یہ کہہ کر اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے ہوں گے اور غالباً آگے معافی بھی مانگنا چاہتے ہوں گے، لیکن یا تو اس سے آگے کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوگا یا چوں کہ معافی کا وقت گذر چکا ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ اُن کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی یہ فرمائیں گے کہ اب معافی تلافی کا وقت گذر چکا، اب تو تمھیں جہنم کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

تشریح نمبر 2: اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر استثنا کے اس جملے سے دو حقیقتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ ایک یہ کہ کافروں کے عذاب و ثواب کا فیصلہ کسی سفارش یا اثر و رُسوخ کی وجہ سے تبدیل نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا تمام تر فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بنیاد پر ہوگا اور یہ مشیت اس کی حکمت اور علم کے مطابق ہوگی، جس کا ذکر اگلے جملے میں ہے۔ دوسری حقیقت جو اس استثنا سے ظاہر فرمائی گئی ہے، یہ ہے کہ کافروں کو ہمیشہ جہنم میں رکھنا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، للذا اگر بالفرض اس کی مشیت یہ ہو جائے کہ کسی کو باہر نکال لیا جائے تو یہ عقلی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے، کیوں کہ اس کی اس مشیت کے خلاف کوئی اُسے مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی مشیت اس کے علم اور حکمت کے مطابق یہی ہو کہ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ 129

ترجمہ: اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کمائے ہوئے اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔ 129

تشریح نمبر 3: یعنی جس طرح ان کافروں پر ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے شیاطین کو مسلط کر دیا گیا جو انھیں بہکاتے رہے، اسی طرح ہم ظالموں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اُن پر دوسرے ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں، چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی ملک کے لوگ بداعمالیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو اُن پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم میں اس کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کر دیتا ہے (ابن کثیر)۔

اس آیت کا ایک اور ترجمہ بھی ممکن ہے اور وہ یہ کہ "اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنادیں گے۔" اُس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شیاطین بھی ظالم تھے اور ان کے پیچھے چلنے والے بھی۔ چناں چہ آخرت میں بھی ہم ان کو ایک دوسرے کا ساتھی بنادیں گے۔ بہت سے مفسّرین نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

فہم حدیث

رکوع اور سجدے میں کیا پڑھا جائے؟

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ اجْعَلُوْهَا فِىْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ اجْعَلُوهَا فِي سُجُودِكُمْ (رواه ابوداؤد و ابن ماجة و الدارمى)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو (یعنی اس حکم کی تعمیل میں سبحان ربی العظیم رکوع میں کہا کرو) پھر جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدے میں رکھو (یعنی اس کی تعمیل میں سبحان ربی الاعلی سجدے میں کہا کرو)۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ يَقُولُ فِى رُكُوعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَفِي سُجُودِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى (رواه النسائى و رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدے میں سبحان ربی الاعلی کہتے تھے۔ (جامع ترندی سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِىْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّىْ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُبِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا، پس میں (اندھیرے میں) آپ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ ﷺ کے پاؤں کے تلووں پر پڑا، اس وقت آپ ﷺ سجدے میں تھے اور اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اللّٰهُمَّ إِنِّىْ أَعُوذُبِكَ (اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ثناو صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں) کہ تو ویسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ذاتِ اقدس کے بارے میں بتلایا ہے) (صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ فِيْ سُجُودِهٖ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ وَ عَلَانِيَّتَهُ وَسِرَّهُ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سجدے میں (کبھی کبھی یہ دعا بھی کرتے تھے اللھم اغفرلی ذنبی کلہ (اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے ہوئے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: بعض قرائن کی بنا پر بعض علمائے امت کا یہ خیال ہے کہ رکوع اور سجود میں یہ دعائیں آپ زیادہ تر تہجد وغیرہ نفل نمازوں میں پڑھتے تھے، لیکن کبھی فرض نمازوں میں بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے اور ان مبارک دعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع و سجود میں تسبیح کے ساتھ کبھی کبھی یہ دعائیں بھی پڑھنی چاہییں۔ خاص کر نوافل میں جن میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا لمبا چاہے رکوع وسجدہ کرے۔ ہاں! فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

شبِ قدر کی خاص دعا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَىُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِىْ اللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّىْ (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات شبِ قدر ہے تو میں اس رات اللہ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عرض کرو:

اللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّىْ

"اے میرے رب! تو بہت معاف فرمانے والا اور بڑا کرم فرما ہے اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطائیں معاف فرمادے۔" (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث کی بنا پر اللہ کے بہت سے بندوں کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر رات میں یہ دعا خصوصیت سے کرتے ہیں اور رمضان مبارک کی راتوں میں اور ان میں سے بھی خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس دعا کا اور بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

رمضان کی آخری رات

عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ يُغْفَرُ لِأُمَّتِهٖ فِىْ اٰخِرِهٖ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِىَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى أَجْرُهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کی آخری رات میں آپ کی امت کے لیے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: رسول اللہ! کیا وہ شبِ قدر ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شبِ قدر تو نہیں ہوتی، لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔ (مسند احمد)

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

وقت کے ساتھ سب بدل جاتا ہے،

لیکن وہ گزرے دن اور خالص ذائقہ، آج بھی یاد دلاتا ہے، شنگریلا اچار

گھر جیسا اچار چٹخارے دار...

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

ولی بننے کا موقع

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

رمضان اللہ تعالیٰ کا اہلِ ایمان کے لیے بہت بڑا انعام ہے اور خوش نصیب مسلمان رمضان میں اللہ کے در سے بہت کچھ پاتے ہیں اور مولا کریم سے سچی صلح کر لیتے ہیں۔

اللہ کے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: میری امت کو پتا چل جائے تو تمنا کرے "اے اللہ! سارا سال ہی رمضان ہو۔" ایک معتکف نوجوان مجھ سے کہنے لگا: اتنا سکون ہے، جی چاہتا ہے سارا سال ہی رمضان ہو، یعنی ہم جیسے گنہگار بھی اس کی برکتیں اور رحمتیں محسوس کرتے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کی زندگیاں غفلت میں گزر رہی ہوتی ہیں، رمضان آتا ہے ان کی زندگی کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے۔ رمضان کے بعد وہ، وہ نہیں رہتے جو رمضان سے پہلے تھے۔ بہت کچھ بدل دیتا ہے یہ رمضان! کتنے خوش نصیب ہیں جو اپنے دل کی سیاہی کو اللہ کے سامنے سچی ندامت کے ساتھ پیش کر کے دھو لیا کرتے ہیں۔ روشن ضمیر بن جاتے ہیں، دل پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ دل میں ہدایت، ایمان کا نور روشن ہونے لگتا ہے۔ پہلے ایسی زندگی تھی اور ایسے گناہوں میں مشغول تھے کہ تذکرہ کرتے ہوئے بھی شرم آئے، لیکن ایسی توبہ کر لیتے ہیں کہ اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

یہ مشاہدہ تو ہم ہر سال کرتے ہیں، جن کے لیے گیارہ مہینے میں اللہ کے در پہ آنا مشکل ہوتا ہے ان کو بھی تہجد کی توفیق مل جاتی ہے، جن کے لیے قرآن کی چند سطریں پڑھنا مشکل ہوتا ہے وہ بھی کئی قرآن پڑھ لیتے ہیں، جن کے لیے چند گھنٹے مسجد میں بیٹھنا مشکل ہوتا ہے، یہ گنہگار آنکھیں دیکھتی ہیں وہ آخری عشرے میں اللہ کے گھر میں ڈیرے لگا لیتے ہیں، یعنی رمضان انھیں کھینچ لاتا ہے۔ اللہ کی رحمت انھیں کھینچ لیتی ہے اور وہ اللہ کے در پہ آ کے، اس کی چوکھٹ پہ بیٹھ جاتے ہیں۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: فَإِنَّ الشَّقِيَ مَنْ حُرِمَ غُفْرَانَ اللهِ فِي هٰذَا الشَّهْرِ الْعَظِيْمِ، یعنی کوئی بدنصیب ہی ہو گا جو پھر بھی محروم ہو جائے کیسا سخت دل ہو گا، اس کا دل مسخ ہو چکا ہو گا کہ جب رحمت کی ایسی بارش ہو رہی ہے، تب بھی یہ محروم ہے۔

خوش نصیب مسلمان رمضان میں بہت کچھ پا لیتے ہیں اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: رمضان میں جو ایک بہت بڑی دولت اہلِ ایمان کو ملتی ہے اور اہلِ ایمان کو اللہ کے ہاں سے لینی چاہیے، وہ سچی معافی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سچی صلح ہو جائے اور سچی معافی، سچی توبہ یہ ہے کہ جو گناہ کر رہا ہے، سچے دل سے اس سے دست بردار ہو جائے اور جو کر چکا ہے دل کی سچی ندامت ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہو۔۔۔ جس خوش نصیب کو ان جذبات کے ساتھ سچی توبہ مل گئی، فرمایا: "یہ ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے۔" 60 سال کا ہو گیا ہے، 70 سال کا ہو گیا ہے، 80 سال کا ہو گیا ہے، توبہ سچی نصیب ہو گئی، یہ عبادت نصیب ہو گئی، یہ ایسا ہے جیسے اس کی ماں نے ابھی اسے جنا ہے۔ پچاس، ساٹھ، ستر سال کی زندگی پر حرفِ غلط کی طرح قلم پھر جائے گا اور ایسا کریم داتا ہے کہ صرف معاف نہیں کرتا وَارْحَمْنَا دنیا کی ساری عدالتیں معاف کرتی ہیں، ریکارڈ محفوظ کرتی ہیں اللہ کی مغفرت کا! رحمت کا دربار ایسا ہے، معاف بھی کر دیتے ہیں ریکارڈ بھی جلا دیتے ہیں۔ کہیں میرے بندے کو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے، جس زمین پر گناہ کیا جن اعضا سے گناہ کیا، جن فضاؤں سے وہ گناہ اوپر گیا، اللہ وہاں اس مخلوق سے مٹا ہی دیتے ہیں۔ شرمندگی نہ ہو توبہ سچی ہو، اللہ تعالیٰ سے سچی صلح ہو جائے۔

رمضان کا اصل سیزن ہے ہی یہ۔۔۔ روزہ مبارک! سحری بھی مبارک! تہجد بھی مبارک! صدقہ خیرات بھی مبارک! تلاوت مبارک! یہ ساری عبادتیں مبارک ہیں، اللہ قبول فرمائے۔۔۔ لیکن رمضان کی اصل کمائی یہ ہے کہ اللہ کریم سے سچی صلح ہو جائے۔ کاروباری دنیا کے لوگ کچھ اپنے اہداف مقرر کرتے ہیں اور جب تک انھیں اپنے وہ اہداف نہیں ملتے، کہتے ہیں سیزن نہیں لگا۔ اچھا خاصا لین دین ہوا، لیکن ان کے طے شدہ اہداف پورے نہ ہوں تو کہتے ہیں سیزن نہیں لگا۔۔۔ تو پیارے رسول ﷺ نے بتایا کہ مسلمانوں کا ہدف رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ سے سچی صلح کر لینا ہے۔ عزم کر لینا ہے کہ "اے اللہ! اب زندگی تیری فرماں برداری کی گزرے گی۔" یہ رمضان کا ہدف ہے، جس خوش نصیب کو یہ ہدف مل گیا گویا اس کا رمضان کا سیزن لگ گیا، کمائی ہو گئی۔ میں عرض کر رہا ہوں، عمرہ مبارک! اعتکاف مبارک! تلاوت مبارک! تراویح مبارک! روزے مبارک! یہ ساری عبادتیں مبارک۔۔۔! اللہ قبول فرمالے، لیکن رمضان کا ہدف، جس سے واقعی سیزن لگ جاتا ہے، جو آدمی کی زندگی بدل کے رکھ دیتا ہے۔

رمضان سے پہلے اور بعد کی زندگی میں واضح فرق! یہ بات سمجھ آ جائے کہ اللہ کو ناراض کر کے اس زندگی میں کوئی سکون نہیں ہے۔

دنیا کے بونے حکم رانوں

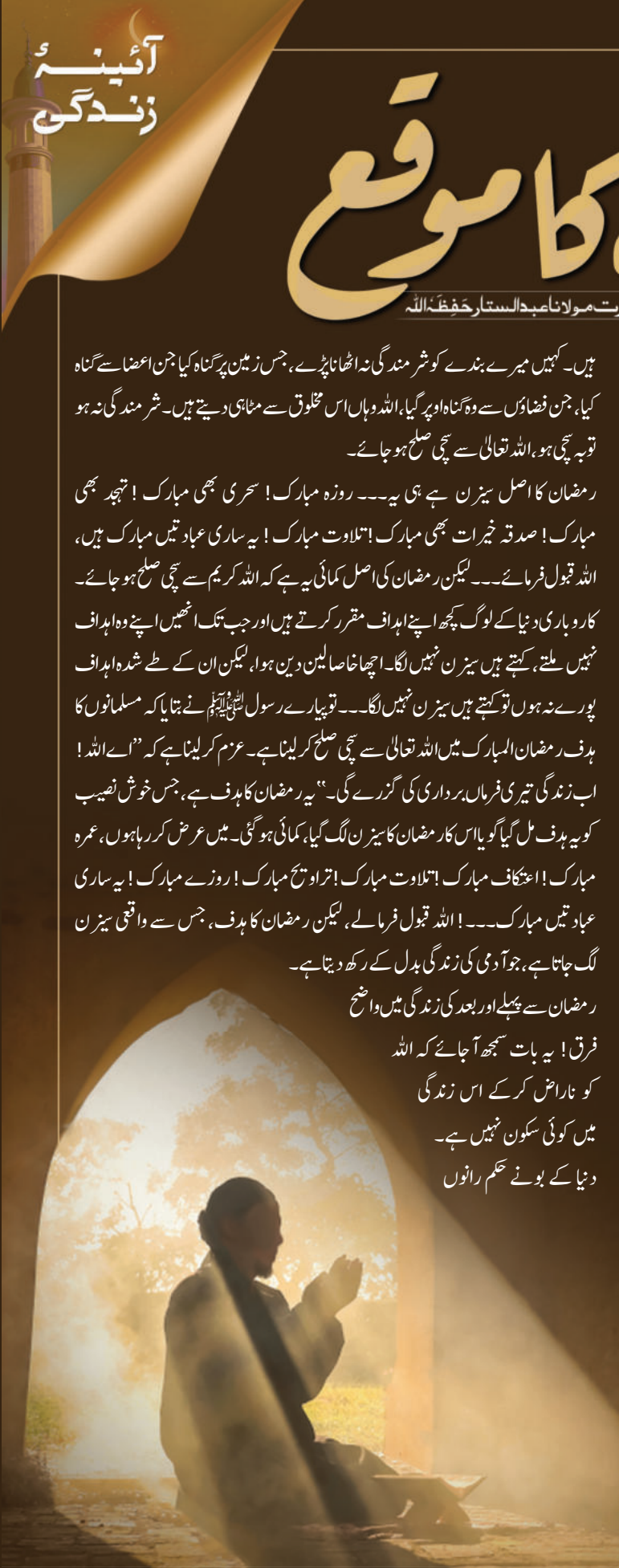

کو ناراض کر کے کوئی آدمی آرام سے کاروبار نہیں کر سکتا تو بھلا بادشاہوں کے بادشاہ سے دشمنی مول لے کر کوئی سکون سے کیسے رہ سکتا ہے۔۔۔؟

دو نوجوان آپس میں بات کر رہے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ گار پر جو توبہ کر لے زیادہ توجہ کرتے ہیں یا وہ جو گناہ ہی نہ کرے اس پہ زیادہ توجہ کرتے ہیں؟ آپس میں بات چیت چل رہی ہے۔ ایک بوڑھے نے یہ بات سن لی، بوڑھا کہنے لگا: "بیٹے! میں زیادہ علم تو نہیں رکھتا، لیکن اپنا تجربہ بتاتا ہوں۔ میں دھاگہ بناتا ہوں، روئی سے دھاگا بناتا ہوں اور جو دھاگہ ٹوٹ جائے اس کو گانٹھ لگاتا ہوں۔ اب میری توجہ زیادہ اس دھاگے پر ہوتی ہے، جس پر گانٹھ لگی ہو کہ کہیں دوبارہ ٹوٹ نہ جائے۔ مجھے لگتا ہے جو بندہ اللہ سے ٹوٹا ہوتا ہے اور پھر سچی صلح کر لیتا ہے، اسے اللہ کی خاص توجہ نصیب ہو جاتی ہے کہ یہ بندہ مجھ سے پھر نہ ٹوٹ جائے۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ رمضان کا ہدف اللہ میاں سے سچی صلح کرنا اور توبہ کرنا ہے۔ عقائد کی بات ہو، عبادات کی بات ہو، تجارت کی بات ہو، کاروبار کی بات ہو، معاملات کی بات ہو، خوشی کی بات ہو، اللہ کا حق ہو، مخلوق کا حق ہو اور ہر حال میں اللہ کی حدود کا لحاظ رکھے، اللہ تعالیٰ کی حدود کا لحاظ رکھ رہا، سچی توبہ کرنے والا ان سب باتوں کا خوب خوب خیال کرتا ہے۔ کسی کو کینسر ہو اور کینسر کی حالت میں وہ طاقت کی دوائیں بھی کھائے اور اچھے کشتے بھی استعمال کرے تو نہ اس کا وزن بڑھتا ہے نہ صحت بنتی ہے۔ سب کہیں گے، میاں! پہلے کینسر کا علاج تو کرواؤ، جب تک یہ کچرا نہیں نکالو گے، یہ گند نہیں نکالو گے تو صحت نہیں بنے گی۔ بعض اوقات رمضان میں اچھی خاصی عبادات ہو جاتی ہیں، اچھی خاصی نیکیاں ہو جاتی ہیں، لیکن گناہ کا کینسر ایسا ہوتا ہے جس پر توبہ اور ندامت نہیں ہوتی، جو رمضان کے بعد کی زندگی میں تبدیلی آنے نہیں دیتی۔ یہ بیچارہ ایمان کے لحاظ سے بیمار ہی رہتا ہے، حالاں کہ اتنی بڑھیا عبادات ہوئیں، لیکن ایمان کے لحاظ سے پھر کمزور ہے، اس میں ایمانی صحت نہیں آئی۔ گناہ کا کینسر ہے نا! توبہ کر کے اسے نہیں نکالا۔ سچی ندامت کے ساتھ اس کا علاج نہیں کیا۔ اتنی ڈھیر ساری عبادتیں ہوئیں، رمضان گزرا، رمضان میں تو ماحول ہے سبحان اللہ! اللہ کی رحمت کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں، لیکن رمضان کے بعد پتا چلتا ہے ایمان کی صحت کا کیا حال ہے؟ اگر سچی توبہ اور سچی صلح ہو گی تو پھر سچا عبادت گزار بن جائے گا، ہر حال میں اللہ کی حدود کا خیال رکھے گا، پھر گناہ اس سے برداشت نہیں ہوں گے۔ جب ایمان کو صحت مل جاتی ہے تو اسے گناہوں سے گھن آنے لگتی ہے۔ اسے اللہ کی نافرمانی سے بو آنے لگتی ہے۔ بسا اوقات آدمی ماحول میں تو نیکیاں کر رہا ہوتا ہے، ایک آدمی حرم گیا اور وہاں ایسا روحانی اے سی لگا ہوتا ہے کہ ہر آدمی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے، ہر آدمی تلاوت کر رہا ہوتا ہے، ہر آدمی اذان سے پہلے مسجد پہنچ چکا ہوتا ہے، لیکن ایمانی صحت کا پتا تو تب چلتا ہے، جب وہ روحانی اے سی سے نکل کے ائیرپورٹ آتا ہے اور فجر پڑھتا ہے! نماز پڑھتا ہے! اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتا ہے! اخلاقیات دکھاتا ہے! وہاں تو روحانی اے سی لگا ہوا تھا۔۔۔ یہی حال یہاں بھی ہوتا ہے۔

رمضان میں تو روحانی، ایمانی اے سی لگا ہوا ہے نا! ہر آدمی کو ٹھنڈک مل رہی ہے رمضان کی، لیکن جیسے ہی رمضان نکلتا ہے، اس کے ایمان کا امتحان تب ہوتا ہے کہ صحت ہے یا نہیں۔۔۔ عید کی پہلی رات، عید کی پہلی فجر، عید کے بعد کی زندگی۔۔۔ آنکھوں پر پہرہ آگیا؟ لقمہ حلال کی فکر شروع ہوئی؟ اخلاقیات کا اثاثہ مل گیا؟ عبادات کا اہتمام شروع ہو گیا؟

اگر سچی صلح ہو گئی، اللہ کے ساتھ سچا پیار ہو گیا تو یہ سب کچھ ہو جائے گا۔۔۔ لیکن اگر گناہ کے کینسر پہ ندامت نہ ہوئی تو یاد رکھنا چاہیے کہ زندگی کے اس سفر میں کینسر زدہ ایمان کام نہیں آتا! گناہ زدہ ایمان کام نہیں آتا! جو گناہ زدہ ایمان مجھے فجر پے نہیں کھڑا کر سکتا، امانت اور دیانت اور سچائی پہ نہیں کھڑا کر سکتا، لقمہ حلال پہ نہیں کھڑا کر سکتا، اللہ کی فرماں برداری پہ نہیں کھڑا کر سکتا، وہ ایسا کمزور ایمان کلمہ کیسے دے گا۔۔۔؟ ایمان پر خاتمہ کیسے ہو گا؟ اللہ حفاظت فرمائے کسی کو کینسر ہو جائے تو اندر سے کیسے کھوکھلا ہو جاتا ہے، کتنا کمزور ہو جاتا ہے۔۔۔ تو گناہ کا کینسر بھی آدمی کے ایمان کو ایسا ہی کمزور کر دیتا ہے، اس کے اندر قوّتِ مدافعت نہیں رہتی شیطان سے اور شیطان جب موت کی گھڑی پے حملہ آور ہوتا ہے، وہ بچا کھچا ایمان بھی لے جاتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین

رمضان جاری ہے۔ صحت مند ایمان کی گھڑیاں نصیب ہو رہی ہیں۔ راتوں کی عبادت مبارک! راتوں کی تہجد مبارک! صدقہ خیرات مبارک! اللہ کرے ان گھڑیوں کی سب سے بڑی عبادت جو رمضان کی اصل کمائی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے سچی صلح۔۔۔ یہ بھی نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا اے ایمان والو! اللہ سے سچی توبہ کر لو۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اے ایمان والو! سچی توبہ کر لو، کامیاب ہو جاؤ گے، نجات پا جاؤ گے۔ کتنے گناہ ہوئے، کیسی کیسی خطائیں، کیسے جرم کر بیٹھا، ندامت لے کر آ! پوچھ نہیں ہو گی۔ معاف کر دیا جائے گا۔ شرمندگی بھی نہیں ہو گی۔ سب معاف کر دیا جائے گا۔

يَا ابْنَ آدَمَ ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِي
يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لَاتُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقِرَابِهَا مَغْفِرَةً

زمین کی ساری فضا تیرے گناہوں سے بھر گئی ہے اور زمین کے ذرّات سے بھی تیرے گناہ بڑھ گئے ہیں۔ سمندر اور دریا کے قطروں سے بھی تیرے گناہ بڑھ گئے ہیں اور درخت کے پتوں سے بھی زیادہ تیرے گناہوں کی تعداد بڑھی ہوئی ہے اور آسمان نما چھت کے ستارے اور سیاروں سے بھی تیرے گناہ بڑھ گئے اور تیرے گناہوں کی بلندیاں آسمانوں کو چھونے لگیں۔ اللہ کہتا ہے: میرے بندے میرے در پے مایوسی نہیں ہے، ندامت لے کر آ، معاف کر دوں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: "یارسول اللہ (ﷺ)! کسی کو شبِ قدر مل جائے اور رمضان کے آخری عشرے کی مبارک گھڑیاں مل جائیں تو کون سی بڑھیا عبادت ہے؟" فرمایا: "عائشہ! اللہ سے معافیاں مانگا کرو، اس لیے کہ اللہ معافی کو بہت پسند کرتا ہے۔ اللہ بہت معاف کرنے والے ہیں تو معافی مانگ لو! معافی یہ نہیں استغفار استغفار استغفر اللہ استغفر اللہ، نہ نہ! معافی یہ ہے کہ اپنے گناہوں پر ندامت، جو کر رہا ہے اس سے دست بردار، آئندہ نہ کرنے کا عزم اور مخلوق میں جس کا حق دینا ہے اس کی ادائیگی کا اہتمام! یہ ہے سچی صلح۔۔۔ جس کو یہ صلح نصیب ہو جائے، وہ اللہ کا ولی بن جاتا ہے۔ اللہ کرے رمضان کی یہ مقدّس گھڑیاں ہم سب کو معافی کی دولت دے دیں۔ اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

رمضان کی برکتیں

ریما نور رضوان

آخری حصہ

رمضان المبارک کا اصل امتحان اس وقت شروع ہوتا ہے جب عید کا چاند نظر آتا ہے، کیوں کہ رمضان صرف ایک وقتی جوش یا چند دنوں کی عبادت کا نام نہیں بلکہ یہ تو ایک ایسی تربیت ہے، جس کے اثرات پورا سال باقی رہنے چاہییں۔۔۔ جو شخص رمضان میں بدلا مگر رمضان کے بعد پھر وہی غفلت، وہی لاپرواہی اور انہی گناہوں کی طرف لوٹ آیا تو اس نے گویا اس عظیم مہینے کے پیغام کو سمجھا ہی نہیں۔ رمضان ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اصل عبادت وہ ہے جو مستقل ہو، چاہے تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔

رمضان المبارک کی ایک اہم برکت نفس کی غلامی سے آزادی ہے۔ انسان عام دنوں میں اپنے نفس کی خواہشات کے ہاتھوں مجبور رہتا ہے۔ بھوک لگے تو فوراً کھالیتا ہے، پیاس لگے تو فوراً پانی پی لیتا ہے، غصہ آئے تو زبان قابو میں نہیں رہتی۔۔۔ لیکن رمضان میں وہی انسان اللہ کے حکم پر بھوک، پیاس اور خواہش سب برداشت کرلیتا ہے۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان مجبور نہیں، اگر چاہے تو اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ یہی آزادیٔ نفس رمضان کا سب سے بڑا تحفہ ہے، جو انسان کو باوقار، مضبوط اور خوددار بنادیتی ہے۔

رمضان ہمیں خاموش عبادت کا ذوق بھی عطا کرتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جسے صرف اللہ جانتا ہے۔ نہ کوئی دکھاوا، نہ کوئی نمائش۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔“ اس سے بڑھ کر عزّت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ خود اجر دینے کا وعدہ کرے۔ یہ ہمیں اخلاص سکھاتا ہے، کیوں کہ جب عبادت لوگوں کے لیے نہیں بلکہ صرف رب کے لیے ہو تو دل کی اصلاح خود بخود ہونے لگتی ہے۔

رمضان المبارک میں دعاؤں کی برکت بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ سحر کے وقت مانگی جانے والی دعائیں، افطار کے لمحے بہتے آنسو، رات کی تنہائی میں اٹھے ہاتھ یہ سب وہ لمحات ہیں جب زمین و آسمان کے درمیان کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ رمضان ہمیں مانگنا سکھاتا ہے، گڑگڑانا سکھاتا ہے اور یہ احساس دلاتا ہے کہ اصل طاقت ہمارے پاس نہیں بلکہ اللہ کے پاس ہے۔ دعا انسان کو عاجزی سکھاتی ہے اور عاجزی اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

رمضان المبارک خاندانی نظام کو بھی مضبوط کرتا ہے۔ سحری اور افطار پر خاندان کا اکٹھا ہونا، ایک دسترخوان پر بیٹھنا، ایک دوسرے کے لیے دعائیں کرنا یہ سب وہ لمحات ہیں جو رشتوں میں محبت اور قربت بڑھاتے ہیں۔ آج کے دور میں جب ہر فرد اپنی موبائل اسکرین میں گم ہے، رمضان ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ یوں یہ مہینہ صرف روحانی نہیں بلکہ سماجی اصلاح کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔

رمضان ہمیں خاموش خدمت کی طرف راغب کرتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو سارا سال کسی کی خبر نہیں لیتے، مگر رمضان میں ان کے دل نرم ہوجاتے ہیں۔ کوئی راشن تقسیم کرتا ہے، کوئی افطار کرواتا ہے، کوئی یتیموں کے سروں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ انسان کی فطرت میں خیر موجود ہے، بس اسے جگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ رمضان وہ مہینہ ہے جو اس سوئی ہوئی خیر کو بیدار کردیتا ہے۔

رمضان المبارک کی ایک گہری برکت خود احتسابی ہے۔ اس مہینے میں انسان اپنے دنوں، راتوں، باتوں اور نیتوں کا جائزہ لینے لگتا ہے۔

”میں کیسا مسلمان ہوں؟ میری نماز کیسی ہے؟ میرا اخلاق کیسا ہے؟“ یہ سوالات رمضان میں دل میں جنم لیتے ہیں۔ یہی سوال اگر باقی سال بھی زندہ رہیں تو انسان کبھی گم راہ نہیں ہوسکتا۔ خود احتسابی دراصل اصلاح کی پہلی سیڑھی ہے اور رمضان ہمیں اسی سیڑھی پر کھڑا کردیتا ہے۔

رمضان ہمیں خاموش صبر کا سبق دیتا ہے۔ بھوک، پیاس، نیند کی کمی یہ سب صبر مانگتے ہیں، مگر یہی صبر انسان کو مضبوط بناتا ہے۔ آج کے دور میں لوگ ذرا سی تکلیف پر بکھر جاتے ہیں، مگر رمضان ہمیں سکھاتا ہے کہ تکلیف عارضی ہوتی ہے اور اجر دائمی! جو شخص رمضان میں صبر سیکھ لیتا ہے، وہ زندگی کے امتحانات میں بھی ثابت قدم رہتا ہے۔

رمضان المبارک کا ایک اور روشن پہلو امت کا اتحاد ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں، مسلمان ایک ہی مہینے میں ایک ہی عبادت انجام دیتے ہیں۔ سحری، افطار، تراویح یہ سب امتِ مسلمہ کی وحدت کی علامت ہیں۔ یہ احساس کہ ہم سب ایک رب کے بندے ہیں، ایک کتاب کے ماننے والے ہیں اور ایک قبلے کی طرف رُخ کر کے سجدہ کرتے ہیں۔ یہ اتحاد رمضان میں سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

رمضان ہمیں خاموش انقلاب کی طرف لے جاتا ہے۔ نہ نعرے، نہ شور، نہ ہنگامہ بس دلوں کی تبدیلی اور یاد رکھیے! اصل انقلاب دلوں سے ہی آتا ہے۔ اگر دل بدل جائیں تو معاشرے خود بخود بدل جاتے ہیں۔ رمضان اسی دل کی اصلاح کا نام ہے۔ وہ دل جو حسد، بغض اور نفرت سے بھرا ہو، رمضان میں صاف ہوسکتا ہے، اگر نیت سچی ہو۔

رمضان المبارک ہمیں زندگی کی حقیقت بھی یاد دلاتا ہے۔ یہ دنیا عارضی ہے، لذّتیں وقتی ہیں، اصل کام یابی آخرت کی ہے۔ قبر، حشر، حساب یہ سب تصوّرات رمضان میں زیادہ شدّت سے دل میں اترتے ہیں۔ یہی احساس انسان کو گناہوں سے روک کر نیکی کی طرف لے جاتا ہے، جو شخص رمضان میں آخرت کو یاد رکھتا ہے، وہ دنیا میں بھی متوازن زندگی گزارتا ہے۔

رمضان کے اختتام پر آنے والی عید دراصل کام یابی کا انعام ہے۔۔۔ مگر یہ انعام اسی کے لیے ہے، جس نے رمضان کا حق ادا کیا ہو۔ ورنہ محض نئے کپڑے پہن لینا، میٹھا کھالینا اور خوشیاں منا لینا اصل عید نہیں! اصل عید یہ ہے کہ ہمارا دل گناہوں سے پاک ہو، ہماری عادتیں سنور چکی ہوں اور ہمارا تعلق اللہ سے مضبوط ہوگیا ہو۔ رمضان المبارک ایک اللہ کی طرف واپسی کا راستہ ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس راستے پر چل پڑتے ہیں اور بدقسمت ہیں وہ جو اس مہینے کو بھی غفلت میں گزار دیتے ہیں۔ رمضان بار بار نہیں آتا! زندگی مہلت نہیں دیتی! اس لیے عقل مندی یہی ہے کہ ہم اس عظیم مہینے کو اپنی زندگی بدلنے کا ذریعہ بنالیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نہ صرف رمضان المبارک کی برکات سمجھنے بلکہ انھیں اپنی زندگی کا مستقل حصہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی حقیقی برکات سمیٹنے، اس کے تقاضوں کو سمجھنے اور اس کے اثرات کو اپنی پوری زندگی میں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بدلتی عید

حفصہ سلطان

تہوار وہی ہیں، مگر لوگ کہیں اور ہو گئے
خوشیاں وہی رہیں، بس اظہار بدل گیا

کبھی عید کے دن گھڑی نہیں دیکھی جاتی تھی، وقت خود چل کر آتا تھا۔ خوشی کسی نوٹیفکیشن کی محتاج نہیں ہوتی تھی اور مسکراہٹیں کیمرے کے سامنے نہیں بلکہ دلوں کے بیچ جنم لیتی تھیں، مگر آج عید آتی ہے تو سب کچھ ہوتا ہے، بس وہ کیفیت نہیں ہوتی جو کبھی عید کی پہچان تھی۔

ایک وقت تھا، جب عید محض تاریخ نہیں بلکہ ایک کیفیت ہوا کرتی تھی۔ چاند رات کی خبر محلے میں ایسے پھیلتی تھی جیسے خوشبو! گلیوں میں بچوں کی دوڑ، گھروں میں مہندی کی مہک، چوڑیوں کی کھنک اور بڑوں کی مصروف سرگوشیاں عید کے آنے کا اعلان کرتی تھیں۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور رہتی تھی اور دل میں بے نام سی خوشی جاگتی رہتی تھی۔ اس عید میں گھڑی نہیں دیکھی جاتی تھی، وقت خود چل کر آتا تھا اور خوشی خود بخود دل میں اتر جاتی تھی۔

وہ عید رشتوں کے گرد گھومتی تھی۔ ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی سب ایک دوسرے کے دروازے پر دستک دیتے تھے، نہ دعوت نامے ہوتے تھے نہ تصویری ثبوت۔۔۔ بس دل ہوتے تھے جو دلوں تک پہنچ جاتے تھے۔ عیدی کی رقم سے زیادہ اس کا ملنے کا انداز یاد رہتا تھا۔ بڑے چھوٹوں کو گلے لگاتے تھے اور چھوٹے بڑوں کی گود میں خوش ہو جاتے تھے۔ عید کا دن تھکن نہیں لاتا تھا، بلکہ تعلق کی تازگی دے جاتا تھا۔

وہ عید سادہ تھی، مگر پوری تھی۔ کپڑے زیادہ مہنگے نہیں ہوتے تھے، مگر خوشی بے قیمت ہوتی تھی۔ دستر خوان پر شاید سو ڈشیں نہ ہوں، مگر ایک پلیٹ سب کے لیے کافی ہوتی تھی۔ عید کی مٹھاس ذائقے میں نہیں بلکہ نیت میں ہوتی تھی۔ دکھاوا نہیں تھا، مقابلہ نہیں تھا، بس مل بیٹھنے کا شوق تھا اور یہی شوق عید کو خوب صورت بناتا تھا۔

وقت بدلا اور وقت کے ساتھ عید بھی بدل گئی۔ اب چاند رات بازاروں کی بھیڑ میں گم ہو جاتی ہے۔ مہندی کی خوشبو کی بجائے پارلر کی خوشبو آتی ہے۔ چوڑیوں کی جگہ موبائل فون کی اسکرینیں چمکتی ہیں۔ خوشی اب دل میں کم اور تصویر میں زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ عید آنے سے پہلے ہی تھکن شروع ہو جاتی ہے اور عید کے دن تک مسکراہٹ رسمی ہو جاتی ہے۔

خوشی کو ہم نے تصویروں میں قید کر لیا
اور حیرت ہے کہ دل پھر بھی خالی رہ گیا

آج کی عید میں خوشی کم اور نمائش زیادہ ہے۔ کپڑوں کا برانڈ، کھانے کی تصاویر، سجاوٹ کے مقابلے، سب کچھ عید کو ایک شو بنا دیتا ہے۔ خوشی اب بانٹنے کی بجائے دکھانے کی چیز بن گئی ہے، جو دکھایا نہ جائے وہ گویا ہوا ہی نہیں۔ اس دوڑ میں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ عید دیکھنے والوں کے لیے نہیں بلکہ جینے والوں کے لیے ہوتی ہے۔

وہ عید جس میں دروازے کھٹکھٹائے جاتے تھے، اب اسکرینوں میں سمٹ گئی ہے۔ مبارک بادیں ہاتھوں کی گرمی کے بجائے ایموجیز کے ذریعے پہنچتی ہیں۔ ملاقاتوں کی جگہ اسٹیٹس نے لے لی ہے۔ ہم سب سے جڑے ہوئے ہیں، مگر کسی کے ساتھ نہیں۔۔۔ عید کے دن بھی تنہائی خاموشی سے ہمارے ساتھ بیٹھ جاتی ہے۔

بچوں کی عید بھی بدل گئی ہے۔ پہلے عیدی خوشی ہوتی تھی، اب ایک حساب ہے۔ کھلونے خواب ہوتے تھے، اب اسکرین معمول ہے۔ وہ معصوم خوشی جو چند سکے پا کر آنکھوں میں جھلک جاتی تھی، اب مہنگے تحفوں کے باوجود کم نظر آتی ہے، شاید اس لیے کہ ہم نے بچوں کو عید سے زیادہ توقعات سکھا دی ہیں۔

عید عبادت کا تسلسل تھی، اب اکثر صرف رسم بن گئی ہے۔ نماز کے بعد بھی دل صاف کرنے کا خیال کم آتا ہے۔ معافی مانگنے کی بجائے تصویر اپلوڈ کرنا زیادہ ضروری لگتا ہے، حالاں کہ عید کا اصل حسن دلوں کی صفائی میں تھا، وہی حسن جواب کہیں پیچھے رہ گیا ہے۔

آج بہت سے لوگوں کے لیے عید شور نہیں بلکہ خاموشی ہے۔ وہ لوگ جو اپنوں سے دور ہیں، وہ جو کسی کو کھو چکے ہیں، وہ جو مجبوریوں میں جکڑے ہیں، ان کے لیے عید ایک سوال بن جاتی ہے۔۔۔ مگر بدلتی عید میں ان خاموش دلوں کے لیے جگہ کم ہوتی جا رہی ہے۔

کیا واقعی عید بدل گئی؟

شاید عید نہیں بدلی، ہم بدل گئے ہیں! عید اب بھی وہی پیغام لاتی ہے، خوشی بانٹنے کا، دل جوڑنے کا، شکر ادا کرنے کا، فرق صرف یہ ہے کہ ہم نے اس پیغام کو سننا چھوڑ دیا ہے۔ عید آج بھی ویسی ہی ہو سکتی ہے جیسی کبھی تھی، اگر ہم چاہیں۔

عید کو واپس لانے کے لیے وقت کو پیچھے نہیں بلکہ دل کو آگے لے جانا ہو گا۔ دکھاوے سے نکل کر سچائی کی طرف آنا ہو گا۔ اسکرین سے نظر ہٹا کر سامنے بیٹھے انسان کو دیکھنا ہو گا۔ کم میں خوش ہونا سیکھنا ہو گا اور زیادہ بانٹنا ہو گا۔ شاید اسی دن عید پھر سے زندہ ہو جائے۔

عید کے بدل جانے کا شکوہ دراصل ایک دن کا شکوہ نہیں بلکہ ہماری مجموعی زندگی کا نوحہ ہے۔ ہم نے صرف عید نہیں بدلی بلکہ مل بیٹھنے کی عادت، انتظار کی لذّت اور بے سبب خوش ہو جانے کا ہنر بھی کھو دیا ہے۔ ہم نے وقت بچانے کے نام پر رشتوں کو مختصر کر دیا اور سہولت کے شوق میں اپنائیت کو پیچھے چھوڑ دیا۔ شاید اسی لیے آج عید کے دن بھی دل کسی انجانی کمی کا شکار رہتا ہے، مگر یہ کمی مستقل نہیں، کیوں کہ تہوار انسان بناتا ہے اور انسان ہی تہوار کو معنی دیتا ہے، اگر ہم ایک دن کے لیے ہی سہی مگر دکھاوے کے بغیر مسکرانا، موبائل سے ہٹ کر سامنے بیٹھے وجود کو دیکھنا اور خوشی کو بانٹنے کا فیصلہ کر لیں تو ممکن ہے عید پھر سے بدل جائے اس بار بہتر صورت میں، کیوں کہ بعض تبدیلیاں زوال نہیں ہوتیں، وہ ہمیں خود کی طرف لوٹنے کا راستہ دکھاتی ہیں۔

عید اگرچہ بدل گئی ہے، مگر کھوئی نہیں۔ وہ اب بھی ہمارے رویّوں میں لوٹ سکتی ہے، جب ہم دکھاوے سے نکل کر سچائی کو اپنائیں، کم میں خوش ہونا سیکھیں اور زیادہ بانٹیں، شاید اسی دن عید دوبارہ زندہ ہو جائے۔

یہ عید بھی گزر گئی، کچھ شور، کچھ خاموشی کے ساتھ
مگر دل اب بھی پوچھتا ہے، وہ پہلی سی عید کہاں گئی؟

ڈگریاں یا مہارت کے ثبوت

مصنوعی ذہانت کے دور میں ایک فکری اور تعلیمی تجزیہ

مذرا خالد

روایتی تعلیمی نظام میں طویل عرصے سے یہ تصوّر غالب رہا ہے کہ ڈگری علمی اہلیت کی بنیادی علامت ہے۔ کسی مستند ادارے سے حاصل کی گئی سند کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا رہا ہے کہ فرد مطلوبہ علم اور مہارت کا حامل ہے۔ تاہم! حقیقت یہ ہے کہ ڈگری بذاتِ خود علم نہیں بلکہ علم کی نمائندہ ایک رسمی علامت ہے، جس کی بنیاد زیادہ تر نصابی تکمیل اور امتحانی کامیابی پر ہوتی ہے، نہ کہ عملی کارکردگی کے جامع اظہار پر۔

مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کی غیر معمولی ترقی نے اس تصوّر کو فکری سطح پر چیلنج کر دیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے انسان کو یہ امکان فراہم کر دیا ہے کہ وہ اپنی مہارت کو محض دعوے کی صورت میں پیش کرنے کی بجائے قابلِ مشاہدہ شواہد (Evidence-basedDemonstration) کے ذریعے ثابت کر سکے۔ اس تناظر میں اب یہ کہنا کافی نہیں رہا کہ "میں اس کام کا ماہر ہوں" بلکہ یہ دکھانا ضروری ہو گیا ہے کہ اس مہارت کا اطلاق عملی سطح پر کیسے کیا گیا اور اس کے نتائج کیا برآمد ہوئے۔

یہ تبدیلی محض تکنیکی نہیں بلکہ علمی اور سماجی شعور میں ایک بنیادی انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

مہارت کے ثبوت (Portfolio) کا علمی مفہوم:

علمی اصطلاح میں مہارت کے ثبوت کو محض کاموں کے مجموعے کے طور پر نہیں دیکھا جا سکتا، بلکہ یہ فرد کی علمی تشکیل (Cognitive Formation) اور عملی صلاحیت (Applied Competence) کا عکاس ہوتا ہے۔ ایک معیاری Portfolio چار اہم پہلوؤں کو واضح کرتی ہے:

اوّل یہ کہ فرد واقعی مطلوبہ کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔

دوم یہ کہ اس کی فکری ساخت مسئلے کو کس طرح سمجھتی اور حل کرتی ہے۔

سوم یہ کہ وہ کہاں مصنوعی ذہانت سے معاونت لیتا ہے اور کہاں انسانی فہم و بصیرت کو ترجیح دیتا ہے۔

چہارم یہ کہ اس کا تعلیمی اور عملی ارتقا وقت کے ساتھ کس نوعیت کی بہتری سے گزرا ہے۔

مہارت کا ثبوت کسی ایک لمحے کی کارکردگی نہیں بلکہ ایک مسلسل سیکھنے کے عمل (Continuous LearningProcess) کی نمائندگی کرتا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں عملی صورتِ حال:

پاکستان کے تناظر میں یہ تبدیلی تدریجاً کئی شعبوں میں نمایاں ہو چکی ہے، خصوصاً انفارمیشن ٹیکنالوجی، فری لانسنگ، ڈیجیٹل ڈیزائن، ڈیجیٹل مارکیٹنگ اور ڈیٹا اینالیسس جیسے میدانوں میں۔ یہاں اب فیصلہ زیادہ تر عملی نمونہ کار (WorkSample) کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، نہ کہ محض تعلیمی اسناد پر۔

تاہم! ہمارا رسمی تعلیمی ڈھانچا اور سماجی رویّے اب بھی بڑی حد تک سند پرستی (Credentialism) کے تصوّر سے وابستہ ہیں، جبکہ عملی دنیا مہارت پر مبنی جانچ (Skill-basedEvaluation) کی طرف بڑھ چکی ہے۔ یہی تضاد نوجوانوں کے لیے فکری انتشار اور پیشہ ورانہ الجھن کا سبب بنتا جا رہا ہے۔

اسلامی تعلیمی روایت:

یہ امر نہایت اہم اور توجہ طلب ہے کہ مہارت کے ثبوت کا جدید تصوّر ہماری اسلامی تعلیمی روایت سے غیر معمولی مماثلت رکھتا ہے۔ قدیم نظامِ تعلیم میں علم کو محض زبانی دعوے یا رسمی سند کے ذریعے معتبر نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ شاگرد کو استاد کے سامنے اپنی علمی قابلیت عملی طور پر ثابت کرنا پڑتی تھی۔

اجازہ (Ijazah) کا نظام اس کی روشن مثال ہے، جس میں اجازت اس وقت دی جاتی تھی جب شاگرد کسی فن یا علم میں مہارت کا مظاہرہ کر لیتا تھا۔ وہ متن پڑھ کر سناتا، اس کی تشریح کرتا، سوالات کا جواب دیتا اور دلیل کے ساتھ اپنی بات اور رائے واضح کرتا۔ اس طرح علمی سند وقت کی تکمیل پر نہیں بلکہ مہارت کے اثبات پر منحصر ہوتی تھی۔

یہ اصول آج کے Proof-of-Skill کے تصوّر سے گہری ہم آہنگی رکھتا ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ جدید فکری رجحان درحقیقت ایک قدیم علمی روایت کی جدید صورت ہے۔

فکری و تعلیمی نتائج:

مصنوعی ذہانت کے اس عہد میں علمی دنیا ایک ایسے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے، جہاں علم کی پہچان کا معیار تبدیل ہو رہا ہے۔ اب اصل قدر اس بات کو حاصل ہو رہی ہے کہ فرد کس حد تک علم کو عملی صورت میں منتقل کر سکتا ہے نہ کہ وہ کس ادارے سے فارغ التحصیل ہوا ہے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ڈگریاں مکمل طور پر غیر اہم نہیں ہوں گی، تاہم! ان کی حیثیت اب واحد معیار کی بجائے ایک ضمنی حوالہ بنتی جا رہی ہے۔ مستقبل میں شناخت کا بنیادی پیمانہ یہ ہو گا کہ فرد کیا دکھا سکتا ہے، وہ مسائل کو کس زاویے سے دیکھتا ہے اور ان کے حل میں کس درجے کی بصیرت اور مہارت کا اظہار کرتا ہے۔

یہ فکری تبدیلی نہ صرف تعلیمی ڈھانچے پر اثر انداز ہو رہی ہے بلکہ سماجی انصاف کے تصوّر کو بھی نئی جہت دے رہی ہے، کیوں کہ اب مواقع کی تقسیم محض اسناد پر نہیں بلکہ حقیقی صلاحیت پر مبنی ہو گی۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A TRUSTED NAME IN JEWELLERY SINCE 1974

MADE TO BE

ADMIRED

MADE TO BE REMEMBERED

03085888455 021 35835455, 35835488

S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton

مار کی گود

ارشد وحید

نادر کو جوئے کی لت پڑ گئی تھی، اس کو اپنے گھر والوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ ایک ماں اور دو بہنیں جو کنواری گھر بیٹھی تھیں، ان کے رشتے بھی نادر کی وجہ سے رُکے ہوئے تھے۔ باپ کا تو نادر کے بچپن میں ہی انتقال ہو چکا تھا اور ماں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی اور بہنیں کپڑے سی کر گھر کا نظام چلاتیں، جس سے دو وقت کا کھانا پک جاتا، لیکن ان سب سے بے نیاز نادر سارا دن آوارہ دوستوں کے ساتھ سگریٹ پھونکتا، جوا کھیلتا، بھوک لگنے پر گھر آتا۔ اگر کھانا مل جاتا تو بہتر ورنہ بہنوں کو برا بھلا اور چیختا چلاتا ہوا باہر نکل جاتا۔ اکلوتا بھائی ہونے کی وجہ سے بہنیں اس کی اس بدتمیزی کو درگزر کر دیتیں۔ حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے نوراں بی بی (اس کی ماں) نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نادر سے آج دوٹوک بات کرے گی۔ ادھر نادر جوئے میں بہت بڑی رقم ہار چکا تھا۔ اس سے اپنی ہار برداشت نہیں ہو رہی تھی، وہ غصے میں گھر داخل ہوا اور چیختے ہوئے کہا: ''اگر آج زہر پکا ہے تو تھوڑا لا دو۔''

''تم کما کے لایا کرو، تاکہ تمھیں کچھ اچھا کھانے کو مل جائے۔'' نوراں بی بی نے آج ذرا سخت لہجہ استعمال کیا۔

''میں کس کے لیے کماؤں؟ تم لوگوں کی ذمے داری میں نہیں اُٹھا سکتا۔ اپنے شوہر سے کہنا تھا ہمارے لیے کچھ چھوڑ کر مرتا۔'' نادر کی اس بات پر نوراں بی بی کو غصہ آگیا تو اس نے نادر کو زوردار تھپڑ رسید کیا، جس پر نادر اور طیش میں آگیا اور غصے میں اول فول بکنے لگا، یہاں تک کہ ماں کو غلیظ گالی دی اور کہا: ''میں گھر چھوڑ کے جا رہا ہوں، آج سے تم سب میرے لیے مر گئے! اور میں تم لوگوں کے لیے! یہ کہہ کر گھر سے نکل گیا۔''

نادر کے دوستوں میں کوئی بھی ایسا دوست نہ تھا، جو اسے سہارا دیتا۔ سبھی دوست تقریباً اس سے دور ہو گئے تھے۔ ان کا کہنا تھا: ''تم تو جانتے ہی ہو کہ ہماری کوئی نوکری تو ہے نہیں۔ ابھی تو ہم بھی باپ کے سہارے پر ہیں۔ تمھیں کہاں سے پیسے دیں؟'' قرضہ مانگنے پر سبھی دوستوں کا یہی جواب ہوتا۔ اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ اب یہ دوست اس کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ اس نے جوئے کا اڈّا چلانے والے دادا سے رابطہ کیا۔

''کام تو میرے پاس بھی نہیں ہے، لیکن میں تمھیں ایک بندے کا پتا بتا سکتا ہوں جو تمھیں کام دے سکتا ہے، لیکن اس کام میں خطرہ بہت ہے، اب فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے۔ میں تمھارے بارے میں سب کچھ اس کو بتا دوں گا، بولو کیا کہتے ہو؟'' دادا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا!

''مجھے کام چاہیے! اس وقت میری مجبوری ہے۔'' دادا نے اس بندے کا ٹھکانا سمجھا دیا۔ نادر دوسرے ہی دن دادا کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچا۔ اس شخص جس کا نام ''جبران'' تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق نادر کو ایک بریف کیس کسی دوسرے شخص کو دے کر اس سے بریف کیس لانا ہوگا، بظاہر تو یہ معمولی کام لگتا تھا، لیکن واقعی اس کام میں بہت خطرہ تھا۔ خاص طور پر اگر مخبری ہو جائے، لیکن اس کام کے بدلے اچھی خاصی رقم آفر ہو رہی تھی۔ نادر نے فوراً قبول کر لی۔ کارروائی رات کو ہونا تھی، وقت اور مقام انھوں نے طے کر لیا۔ پلاننگ کے مطابق ہنگامی صورتِ حال کے خطرے کے پیشِ نظر جبران نے گاڑی کے پاس ہی ٹھہرنا تھا۔ نادر بریف کیس اور ٹارچ لے کر جبران کی بتائی ہوئی سمت کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ ایک کھلا میدان تھا، لیکن ہر طرف اندھیرا تھا۔ دوسری جانب سے تین بار ٹارچ کا اشارہ دیا گیا، یہ مخصوص اشارہ تھا۔ نادر نے بھی بدلے میں تین بار اشارہ دیا! تھوڑی دیر کے بعد دوسری جانب سے ایک شخص نادر کی جانب بڑھا، قریب پہنچ کر اس نے نادر کو نگاہوں نگاہوں میں ہی تولا اور پھر کہا: ''نئے لگتے ہو!''

نادر نے ہاں میں جواب دیا۔ بریف کیس کا تبادلہ ہوا اور وہ شخص واپس اپنی سمت کو چلا گیا۔ نادر بریف کیس لیے جبران کی گاڑی کی طرف بڑھا، لیکن اسے ایک گونج دار آواز نے چونکا دیا۔

''تم سب چاروں طرف سے گھر چکے ہو! بہتر یہی ہوگا کہ تم سب اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ۔۔۔ مارے جاؤ گے۔''

نادر بوکھلا گیا۔ اس نے بریف کیس ایک جانب پھینکا اور راستے کا تعین کیے بغیر دوڑ لگا دی۔ اچانک سے فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابھی وہ چند قدم ہی دوڑا تھا کہ ایک گولی اس کی ٹانگ کے آر پار ہو گئی اور وہ گر پڑا۔ دو پولیس اہلکار ڈنڈا ڈولی کرتے اسے اپنی گاڑی کی طرف لے گئے۔ درد کی شدّت سے وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ آنکھ کھلنے پر اس نے خود کو ہسپتال میں پایا۔ ہوش آنے پر اسے سب یاد آنے لگا، لیکن وہ حرکت کرنے سے قاصر تھا۔

''یہ کب تک ٹھیک ہو جائے گا؟'' پولیس آفیسر نے پوچھا۔

''زخم بھرنے میں وقت لگ سکتا ہے، دس دن سمجھ لیجیے۔'' ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اوکے! ڈاکٹر صاحب ہمارا ایک اہلکار اس کی نگرانی کے لیے یہیں رہے گا۔'' پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

''جی! جی! ضرور۔۔۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''ہاں بھئی! کیا پوزیشن ہے؟'' ڈاکٹر مسکراتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب، میرا دھڑ حرکت نہیں کر رہا!'' ڈاکٹر نے نادر کو جو بتایا، وہ کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا: ''جان سے بڑھ کر کوئی بڑی نعمت نہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو تمھاری جان بچ گئی۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب چلے گئے۔

نادر کا زخم بھرنے لگا۔ اس دوران کئی بار پولیس تفتیش کرنے آتی رہی۔ ہر بار ان کا ایک ہی سوال ہوتا ''اور کون ہے تمھارے ساتھ۔''

اس دوران ایک این جی او کے لوگ آئے تو انھوں نے اسے بیساکھی کا تحفہ دے دیا۔ یہ تحفہ اس کی ضرورت تھی، لیکن تحفہ پا کر اس کا دل بھر آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔۔۔ پھر ایک دن اسے ہسپتال سے جیل شفٹ کر دیا گیا۔ ہر طرح اس سے اگلوانے کی کوشش کی گئی،

لیکن کچھ حاصل نہ ہو سکا اور حاصل ہوتا بھی کیسے۔۔۔ خود نادر کے علم میں کوئی ایسی بات تھی نہیں جو ہوا تھا وہ بتا چکا تھا۔ نادر کو عدالت پیش کیا گیا، اسے سزا ہوئی اور یہ سزا اس نے کسی نہ کسی طرح کاٹ ہی لی۔ رہائی کے بعد اسے کام بھی تلاش کرنا تھا اور ٹھکانا بھی۔ ایک معذور شخص کو بھلا کام کیسے اور کون دیتا۔ ایک ہوٹل کے منیجر سے کام کی بات کرنے گیا۔ اس نے پچاس روپے ہاتھ پہ رکھے، چلتا کیا اور خوب سنائیں بھی۔ ایک پل کے نیچے مانگنے والوں کے بیچ کچھ جگہ بنائی، شام کے کھانے کا بندوبست کرنے ایک ہوٹل کی طرف گیا تو ہوٹل والے نے ایک روٹی پر تھوڑا سا سالن ڈال دیا، نادر وہ روٹی لے کر اپنے ٹھکانے پر آ گیا اور ساری رات روتے روتے گزری۔

نادر ہر روز اپنے ٹھکانے سے نکلتا، بھیک مانگتا، شام کو واپس اپنے ٹھکانے پر آ جاتا۔ اس دوران کٹی ٹانگ پر زخم لگ گیا، سرکاری ہسپتال گیا تو انھوں نے دوا لگانے اور کھانے کو دی، الٹی سیدھی پٹی بھی کر دی، لیکن زخم اس کے لیے ناسور بنتا جا رہا تھا۔ اس کے پاس پیسے تو تھے نہیں کہ کسی اچھے ہسپتال سے علاج کرواتا، اس دوران اس کی ایک بزرگ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے نادر کی بڑبڑاہٹ سُن لی تھی، کہنے لگے: ”اب روتا کیوں ہے؟ اپنی اس حالت کا تو خود ذمے دار ہے۔“ بزرگ نے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ نادر انھیں حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ کہنے لگے: ”گھورنا بند کر! جا اس کو تلاش کر جس کا تو نے دل دکھایا ہے۔ اذیت میں کمی ہو جائے گی۔ آخرت سنور جائے گی۔“ بزرگ نے آسمان کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ گئے۔

ان کی باتوں نے نادر کو لرزا کے رکھ دیا۔ وہ سوچنے لگا، میں نے ماں کو ستایا ہے، یہ ساری سزا اسی گناہ کی ہو سکتی ہے۔ نادر نے اُمید بھری نظروں سے آسماں کی طرف دیکھا: ”اے میرے رب! میں تیرا بھی گنہگار ہوں اور اپنی ماں کا بھی! تو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ میرے حال پر رحم فرما! مجھے اپنی ماں سے ملوا دے، تاکہ میں اس سے معافی مانگ سکوں۔“

اب تو بیساکھیوں کے سہارے چلنا بھی اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اپنے محلے کی طرف چلتا چلا گیا اور آواز لگا رہا تھا کہ ایک خاتون کا سامنا ہو گیا اور دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ وہ خاتون نادر کی ماں تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے نادر کا چہرہ پکڑ کر کہنے لگیں: ”میرے بیٹے! تم ہمیں چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟“ ماں کی آنکھوں سے بارش کے قطروں کی طرح آنسو گرنے لگے۔

نادر کے صبر کا بندھن ٹوٹ گیا اور دھاڑیں مار کے رونے لگا، کہنے لگا: ”مجھے معاف کر دو امی جان! مجھے معاف کر دو! میں نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ اس کی مجھے بہت بڑی سزا ملی ہے۔“

”بیٹا! میں نے ہمیشہ اللہ سے تجھ سے ملنے کی دعا کی ہے۔ تجھے کبھی بددعا نہیں دی، لیکن تمہاری یہ حالت۔۔۔“ ماں نے تڑپتے ہوئے پوچھا۔

”میں جانتا ہوں! ماں کبھی بددعا نہیں دیتی، لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے نا! اماں مجھے معاف کر دو، میں مرنے لگا ہوں۔ تکلیف اور درد کا لمبا سفر طے کر کے تم تک پہنچا ہوں۔ مجھے اپنی گود میں لے لو!“ نادر نے کسی بچے کی مانند خواہش کی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میں کتنا بدنصیب تھا، جنّت جیسی گود سے دور تھا۔ ماں نے جلدی سے نادر کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔

”میرا پل پل تیری یاد میں گزرا ہے، ہر آہٹ پر لگتا تھا جیسے تو واپس آ گیا ہو۔ بہت تڑپی ہوں تیرے لیے۔۔۔“

”ماں میرے لیے بخشش کی دعا کرو گی نا!“ نادر کی آواز مدھم ہونے لگی تھی۔

”ضرور کروں گی! لیکن میں تمہارا علاج کرواؤں گی تو ٹھیک ہو جائے گا، لیکن۔۔۔“ نادر کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو چکی تھیں۔ تکلیف اور درد سے آزادی کے لیے ماں کی گود نصیب ہو گئی تھی۔

پرندوں کے رنگ

انشراح شیخ

کئی زمانے پہلے کے پرندوں کے رنگ نہیں ہوتے تھے۔ سارے پرندے سفید ہوتے تھے، وہ باقی جانوروں اور کیڑوں کو دیکھ کر اداس ہوتے اور کہتے کہ کاش! ہمارے پاس بھی اپنے رنگ ہوتے، پھر ہم بھی اتنے خوب صورت ہوتے۔ ایک دن سارے پرندے ایک درخت پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ”بس ہم ہی بے رنگ رہ گئے“ اتنے میں اچانک سے آسمان پر کالے بادل چھا گئے، زور سے بجلی چمکی، ہر جگہ دھواں ہی دھواں ہو گیا اور پھر جب وہ دھواں چلا گیا تو پرندے حیران ہو گئے کہ اُن کے سامنے ایک بازی گر جل تھل زمین پر کھڑا ہے۔ بازی گر نے پوچھا: ”کیا ہوا پرندو! اتنے اداس کیوں ہو؟؟؟“ پرندوں نے اپنے درمیان ایک نیا دوست پایا اس لیے وہ اپنی دل کی بات زبان پر لے آئے۔ بازی گر نے پرندوں کی بات سن کر اپنے بال پھیلائے۔ اس کے بالوں سے ایک دھنک نکلی۔ بازی گر بولا: آؤ آؤ ایک ایک کر کے آؤ اور اس رنگ سے رنگین ہو جاؤ! پہلے تو پرندے یہ دھنک بازی گر کی چال سمجھے، لیکن کوّا کائیں کائیں کر کے دھنک میں گیا۔ اس کو دیکھ کر طوطا بھی بازی گر کے بالوں میں گیا۔ جب طوطا دھنک کی دوسری طرف سے واپس آیا تو ہرا رنگ کا ہو گیا، پھر اسے دیکھ کر مور اور مرغی بھی دھنک میں گئے اور پھر دوسری طرف سے آنے کے بعد بہت خوبصورت نظر آ رہے تھے۔ مور کے پروں میں ہر رنگ تھا، مور اپنا رنگ دیکھ کر چھم چھم ناچنے لگا۔ اس طرح ہر چھوٹے اور بڑے پرندے نے اپنا رنگ لیا اور خوشی کے مارے چہکنے لگے۔ ایک تو پرندوں کا حسن اور ان کی چہکتی آواز اتنی خوب صورت کہ پوری دنیا ان کو پسند کرنے لگی۔

خاموش صدائیں

حافظہ اُمِ رومان بنتِ عبدالماجد

دنیا کے شور میں کبھی کبھی کچھ صدائیں ایسی ہوتی ہیں جو سنائی نہیں دیتیں، لیکن دل کی گہرائیوں تک اتر جاتی ہیں۔ یہ صدائیں چیخ نہیں ہوتیں، احتجاج نہیں ہوتیں، مگر ان کا اثر کسی گرج دار للکار سے کم بھی نہیں ہوتا۔ غزہ کی ماؤں، بیٹیوں اور بچوں کی یہی وہ خاموش صدائیں ہیں جو آسمان تک پہنچتی ہیں اور زمین کے ضمیر کو جھنجھوڑتی ہیں۔

غزہ، وہ خطہ جہاں مٹی بھی خون سے تر ہے، جہاں ہوا میں اذانوں کے ساتھ آہیں بھی گھلتی ہیں، وہاں کے بچے جب ملبے کے درمیان کھیلتے ہیں تو ان کے ہاتھوں میں کھلونے نہیں، پتھر ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ نہیں، مگر ایک عزم ضرور ہوتا ہے کہ ظلم کے سامنے جھکنا نہیں۔ دنیا کی طاقت ور حکومتیں اپنی آنکھوں پر مفاد کے پردے ڈالے بیٹھی ہیں، میڈیا خاموش ہے، تنظیمیں بے حس اور انسانیت بے ضمیر، مگر غزہ کے معصوم دلوں سے اٹھنے والی خاموش صدائیں ان سب دیواروں کو چیر رہی ہیں۔ وہ صدائیں جن میں سسکیاں بھی ہیں اور ایمان کی روشنی بھی۔

ہر وہ بچہ جو ملبے سے اپنی گڑیا نکالتا ہے، ہر وہ ماں جو اپنے لختِ جگر کو کفن میں لپیٹ کر صبر کہتی ہے، دراصل وہ خاموشی سے پوری انسانیت کو آئینہ دکھا رہی ہوتی ہے۔ ان کی خاموشی احتجاج سے زیادہ گونج رکھتی ہے۔

غزہ کی سرزمین پر بہنے والا خون فقط سُرخ نہیں، وہ شہادت کا رنگ ہے، ان کے زخم گواہی دیتے ہیں کہ ایمان ابھی زندہ ہے، ان کی لاشیں دنیا کے مردہ ضمیر پر سوالیہ نشان ہیں۔

یہ صدائیں ہمیں جھنجھوڑتی ہیں، کیا ہم نے اپنے دلوں کو بند کر دیا ہے؟ کیا ہم نے اپنے احساسات کو دفن کر دیا ہے؟ کیا ہم واقعی زندہ ہیں جب غزہ جل رہا ہے؟

خاموش صدائیں صرف غزہ کے نہیں، بلکہ ہر مظلوم کے دل سے اٹھتی ہیں۔ فلسطین سے چناروں کی وادیوں تک، مگر غزہ کی صدا سب سے بلند ہے، کیوں کہ اس میں صبر کا لہو ملا ہوا ہے۔

آج غزہ کی عورتیں ہمیں سبق دیتی ہیں کہ غیرتِ ایمانی کیا ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو شہادت کا درس دیتی ہیں، اپنے آنسو چھپا کر مسکراہٹ دیتی ہیں، ان کی آنکھوں میں روشنی ہے، وہ روشنی جو دنیا کی ساری بندوقیں بجھا نہیں سکتی۔

غزہ کے بچے جب کہتے ہیں "ہم نہیں ڈرتے" تو ان کے لہجے میں ایک امت کا وقار جھلکتا ہے۔

یہی وہ خاموش صدائیں ہیں جو وقت کے فرعونوں کے تخت ہلا دیتی ہیں۔

اے امتِ مسلمہ!

یہ صدائیں تمہیں بلا رہی ہیں، یہ تمہارے ایمان، تمہاری غیرت اور تمہارے اتحاد کو پکار رہی ہیں، تم کب جاگو گے؟

کب اپنی زبان سے دعا اور عمل سے وفا کا ثبوت دو گے؟ خاموش صدائیں صرف سننے کے لیے نہیں ہوتی، محسوس کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

جب کوئی قوم ان صداؤں کو محسوس کرنا چھوڑ دے تو اس کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے۔

غزہ کی گلیوں میں آج بھی اذانیں گونجتی ہیں، قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، شہیدوں کے لہو سے ایمان کی خوشبو آتی ہے۔ وہاں کی راتیں اندھیری ضرور ہیں، مگر اُمید کی چاندنی اب بھی باقی ہے۔

یہ تحریر، یہ احساس اور یہ درد سب اسی ایک حقیقت کی ترجمانی ہے۔

خاموش صدائیں کبھی خاموش نہیں رہتیں، وہ کسی نہ کسی دل کو ہلا دیتی ہیں، کسی نہ کسی روح کو جگا دیتی ہیں۔

غزہ کی خاموش صدائیں ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ ایمان کبھی مٹ نہیں سکتا اور ظلم کا انجام ہمیشہ رسوائی ہے۔

وقت گزر جائے گا، تاریخ بدل جائے گی، مگر یہ صدائیں ہمیشہ زندہ رہیں گی، فضاؤں میں، دعاؤں اور ہر اس دل میں جو انسانیت کے نام پر دھڑکتا ہے۔

فیٹی لیور کیا ہے؟

ڈاکٹر قمسیہ

فیٹی لیور وہ حالت ہے جب جگر میں غیر معمولی طور پر چربی جمع ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں تو اب یہ بہت عام ہو گیا ہے، خاص طور پر نوجوانوں میں بھی دیکھنے کو مل رہا ہے کیوں کہ فاسٹ فوڈ اور لائف اسٹائل اور وزن کا بڑھنا عام ہو گیا ہے۔ یہ خاموش بیماری ہے، شروع میں کوئی علامت نہیں دکھاتی، لیکن اگر بڑھ جائے تو جگر کا سائز بڑھ سکتا ہے، سروسس (جگر کی سختی) یا حتیٰ کہ کینسر تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔

اس کی وجوہات میں سب سے بڑی چیز موٹاپا ہے، پیٹ کی چربی زیادہ ہونا، شوگر، انسولین ریزسٹنس، ہائی ٹرائی گلیسرائیڈز، ہائی بلڈ پریشر، بہت زیادہ شکر اور فرائی چیزیں کھانا اور ورزش بالکل نہ کرنا ہے۔ شروع میں تو کوئی علامت نہیں ہوتی، لیکن بعد میں تھکاوٹ، پیٹ کے دائیں اوپری حصے میں ہلکا درد یا بھاری پن، وزن نہ بڑھنے کے باوجود پیٹ پھولنا، کم زوری، بھوک کم لگنا جیسی چیزیں ہو سکتی ہیں۔ اگر بہت ایڈوانس ہو جائے تو یرقان، سوجن، جگر فیل ہونے تک نوبت آ سکتی ہے۔ اگر یہ علامات محسوس ہوں تو فوراً قریبی ڈاکٹر سے چیک کروائیں، الٹراساؤنڈ یا LFT ٹیسٹ کروائیں۔

اب آتے ہیں کھانوں کی طرف جو فیٹی لیور کا سب سے بڑا سبب ہیں اور زیادہ تر غیر الکوحل والا انہی کھانوں سے ہوتا ہے جو شکر، سادہ کاربس سیچوریٹڈ فیٹس ہیں۔

سوڈا، کوک، جوس، میٹھے مشروبات، کینڈی، چاکلیٹ، کیک، بسکٹ، آئس کریم اور میٹھے دہی وغیرہ یہ جگر میں چربی جمع کرواتے ہیں۔ برگر، فرائز، پیزا، سموسہ، پکوڑے، پراٹھے تیل میں تلے ہوئے، چپس، سفید روٹی، سفید چاول، سفید میدہ سے بنی چیزیں (نمکین، نان، پراٹھا)، میٹھے بیکری آئٹم۔ یہ سب چیزیں جگر پر براہِ راست حملہ کرتی ہیں اور چربی جمع کرتی ہیں۔ ان سے موٹاپا بڑھتا ہے اور جگر کا مسئلہ سنگین ہو جاتا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ فیٹی لیور reversible ہے، یعنی اگر جلدی احتیاط شروع کرو تو جگر کی چربی کم ہو سکتی ہے۔

مثال کے طور پر بروکولی، پالک، گوبھی، گاجر، مولی، بینگن، ٹماٹر، کھیرا، سلاد فائبر سے بھرپور جگر صاف ہوتا ہے۔ سیب، ناشپاتی، بیر، سٹرابیری، لیموں، آم (کم مقدار میں) دالیں اور بیج چنا، مونگ، مسور، لوبیا، دال فائبر اور پروٹین۔ یہ کھانے جگر کی چربی گھٹاتے ہیں، شکر اور فرائی بالکل کم کر دیں۔

Get your Eid preps blooming!
Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
BLOOM
LA PERFUME
DRY 300 ml e
Perfect
FRESHENER
ProudlyMadeInPakistan

ناریل

پہلا حصہ

حکیم شمیم احمد

ناریل کا تیل افادیت سے بھرپور

آج کے دور میں عورتوں اور مردوں کی اکثریت بال گھنے کرنے اور سیاہی قائم رکھنے، بالوں کو بڑھانے کے لیے پریشان ہیں کہ کسی طرح بالوں کی نشوونما ہو جائے تو ناریل میں یہ خاصیت موجود ہے۔ صدیوں پہلے حکما نے سر کے بالوں کے لیے ناریل کا تیل تجویز کیا تو جو آج بھی اپنی افادیت کے لیے مشہور ہے۔ یہ تیل کھانے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ سر کے بالوں کے لیے ناریل کا خالص تیل اگر روزانہ استعمال کیا جائے تو بال گھنے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ بنگلادیش کی خواتین کے بال اسی لیے گھنے اور لمبے ہوتے ہیں کہ وہ ناریل کا تیل لگاتی ہیں اور کھوپرا بھی کثرت سے کھاتی ہیں۔

ناریل ایک غذائیت بخش پھل

ناریل کو عربی میں نارجیل، فارسی میں جوز ہندی اور انگریزی میں Cocoanut کہتے ہیں۔ مزاج گرم وخشک درجہ دوئم ہے۔

ناریل غذائیت بخش پھل ہے، اس میں حیاتین اور معدنیات کی زیادہ مقدار ہوتی ہے، لہٰذا اسے صحت بخش بھی کہا جاسکتا ہے۔ ناریل متحرک اور چاق وچوبند رکھنے والی غذا ہے۔ پودے میں ناریل لگنے کے نو ماہ بعد اس میں غذائیت بخش پانی جمع ہو جاتا ہے، جو بے حد خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتا ہے۔ پانی حقیقت میں اس کا رس ہے جو اسے توڑ کر ہی نکالا جاتا ہے۔ اس پانی میں شکر، حیاتین، معدنیات، خامرے اور امائنو ایسڈ شامل ہوتے ہیں۔ ناریل میں 94 فیصد پانی ہوتا ہے۔

ناریل کے پانی سے خلیوں کی افزائش

جسم میں دو عناصر ایسے ہیں جو خلیوں کی افزائش کے لیے ضروری ہیں۔ یہ دونوں عناصر ناریل کے پانی سے حاصل ہو جاتے ہیں، چناں چہ یہ میٹھا پانی بڑھاپے کی آمد کو روکتا ہے۔ ناریل کے پانی میں پوٹاشیم بڑی مقدار میں ہوتا ہے، لہٰذا یہ گردے کی پتھری کو گھلا دیتا ہے، اگر اسے پابندی سے پیا جائے تو یہ گردوں میں پتھری بننے ہی نہیں دیتا۔ ناریل کا پانی انسولین کو تحریک دیتا ہے۔ اس لیے خون میں شامل شکر کو تیزی سے جلا دیتا ہے۔ اس کے پینے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ یہ وزن کو بھی گھٹا دیتا ہے۔ ناریل کے پانی میں بہت سے خامرے پائے جاتے ہیں، جن سے ہاضمہ درست رہتا ہے۔ ناریل کے پانی سے حملہ قلب کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اور دل کے سکڑنے کی شکایت نہیں رہتی۔

ناریل کے افعال واستعمال

- مادہ منویہ کو گاڑھا کرتا ہے اور خون صالح پیدا کرتا ہے۔
- سینہ نرم کرتا ہے، کثیر الغذا ہے، بدن کو فربہ کرتا ہے۔
- مصری کے ہم راہ وزانہ نہار منہ ایک تولہ کھانا بینائی کو قوت دیتا ہے۔
- مغز ناریل کہنہ بقدر تین ماشہ کرم شکم خصوصاً گدودانوں کو ہلاک کرنے کے لیے کھلاتے ہیں۔
- ناریل کے اوپر والے پوست کا ریشہ جلا کر ہموزن مصری ملا کر بقدر چھ ماشہ پانی کے ساتھ پھانکنے سے بواسیری خون اور کثرت حیض رک جاتا ہے۔
- ناریل کے درخت کی تاڑی حمل کے زمانہ میں ہفتہ میں دو تین بار عورت کو پلائی جائے تو بچہ خوب صورت پیدا ہوتا ہے۔
- مثانہ اور گردے کی کم زوری کو دور کرتا ہے، دردِ مثانہ اور قطرہ قطرہ پیشاب آنے کو روکنے کے لیے اس کا استعمال بہت مفید ہے۔
- ناریل کا تیل سر پر لگانے سے بالوں کی نشوونما ہوتی ہے۔
- ناریل کے چھلکوں کے جوشاندے سے کلیاں کرنے سے دانت مضبوط ہوتے ہیں۔
- چاول کھانے کے فوراً بعد ناریل کا استعمال اُس کو جلد ہضم کر دیتا ہے، اس کا پانی وزن کنٹرول کرنے میں مدد دیتا ہے، ہائی بلڈ پریشر کو کم کرتا ہے اور اس کے استعمال سے ڈپریشن سے بھی چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔
- فالج، لقوہ، رعشہ اور ضعفِ اعصاب میں اس کا استعمال بے حد مفید ہے۔
- ناریل جسم کو کیلشیم جیسی معدنیات جذب کرنے میں مدد دیتا ہے، جس سے ہڈیاں مضبوط ہو جاتی ہیں۔

ناریل کے پانی سے زبان کے چھالے کافور

ایک پندرہ سال لڑکی کو میرے مطب میں لایا گیا، جس کی ساری زبان چھل گئی تھی۔ دریافت کرنے پر پتا چلا کہ اس کی زبان پر چھالے ہو گئے تھے۔ ماں نے مشورہ دیا کہ گلیسرین زبان پر لگائے، گلیسرین کا لگانا تھا کہ پوری زبان کا پَرت چھل گیا، نہ جانے یہ گلیسرین تھی یا اور کوئی لوشن غلطی سے لگا لیا گیا تھا۔ بہر حال! میں نے ناریل کا پانی پینے کا مشورہ دیا اور اسی کے پانی سے کلیاں کروائیں، دوسرے دن یہ مریضہ کافی سکون میں تھی۔

ناریل کا تیل بنائے جلد کو چمک دار

یہ ہڈیوں عضلات اور نسیجوں کو مضبوط رکھتا ہے، اس لیے کہ اس میں پوٹاشیم کے علاوہ کیلشیم بھی ہوتا ہے۔ اس پانی میں کیوں کہ برقی پاشے (Electrolyte) کی متناسب مقدار بھی شامل ہوتی ہے، چنانچہ دماغ کے لیے بھی فائدے مند ہے اور اس کی کارکردگی میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ اس پانی میں جلد کو نم رکھنے کی خاصیت ہوتی ہے، اس لیے اسے جلد کی تروتازگی قائم رکھنے کے لیے سردی اور گرمی دونوں موسموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ناریل کا پانی ایسے افراد کو زیادہ موافق آتا ہے جن کی جلد چکنی ہوتی ہے۔ ناریل کے پانی سے چہرہ بھی دھویا جاسکتا ہے۔ یہ چہرے کی ملائمت میں اضافہ کرتا ہے۔ اسے پینے سے جلد اندر سے بھی صحت مند رہتی ہے، یعنی جلد آکسیجن کو زیادہ جذب کرنے لگتی ہے، چناں چہ اس طرح سے جلد کی ساری کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور جلد چمکنے لگتی ہے۔

عید الفطر حکمت کا پیغام

اُم سلمیٰ احمد

ہم مسلمانوں کے لیے ایک خاص دن، ایک عظیم، بابرکت اور روح پرور تہوار، جو رمضان المبارک کے بابرکت ایام کے اختتام پر منایا جاتا ہے، جس کو ہم ”عید الفطر“ کہتے ہیں۔ یہ یومِ عید صرف خوشی اور مسرّت کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندوں کے لیے ایک خصوصی انعام ہے، جو ایک ماہ کی مسلسل عبادت، روزہ، صبر، تقویٰ اور ضبطِ نفس کے بعد عطا کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرہ: 185)

اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔

اس آیت مبارکہ میں یہ واضح بتایا جارہا ہے کہ عید دراصل شکر گزاری کا دن ہے۔ شکر اس ہدایت پر جو ہمیں روزے، عبادات اور تقویٰ کے ذریعے نصیب ہوئی۔ عید الفطر ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ رمضان المبارک میں حاصل ہونے والی روحانی تربیت کو محض ایک مہینے تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسے سال بھر کی زندگی کا حصہ بنایا جائے۔

یہ خوشی خاص کر ان خوش نصیب بندوں کے لیے ہے جو رمضان کی مقدّس راتوں میں قیام اللیل کرتے رہے، دن بھر بھوک اور پیاس کی شدّت برداشت کر کے روزے رکھتے رہے اور ہر حال میں اپنے رب کی رضا کو مقدّم جانتے رہے۔ عید کا یہ دن اصل میں ان کے صبر، اخلاص اور عبادت کی قبولیت کی علامت ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

عید الفطر کے موقع پر اسلام ہمیں مساوات اور بھائی چارے کا عملی درس دیتا ہے۔ اس دن امیر و غریب، حاکم و محکوم سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نمازِ عید ادا کرتے ہیں۔ تکبیرات کی گونج، عید گاہ کا اجتماع، نماز کے بعد باہمی مصافحہ اور معانقہ۔ یہ سب عید کی حقیقی روح کی عکاسی کرتے ہیں، جہاں دلوں کے شکوے گلے ملتے ہی ختم اور محبتیں بڑھنے لگتی ہیں۔

اسلام اس بات پر بھی خصوصی زور دیتا ہے کہ عید کی خوشیوں میں معاشرے کے کمزور اور نادار طبقات کو ہر گز نظر انداز نہ کیا جائے۔ اسی مقصد کے تحت صدقۂ فطر کو واجب قرار دیا گیا ہے، تاکہ کوئی بھی فرد عید کی خوشیوں سے محروم نہ رہ جائے اور ہر کوئی عید کی خوشیاں منا سکے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر روزے دار کو لغو اور بے حیائی کی باتوں سے پاک کرنے اور مسکینوں کے لیے خوراک کا ذریعہ بنانے کے لیے فرض فرمایا۔ (سنن ابو داؤد)

عید الفطر ہمیں شکر گزاری، ایثار، اخوت، محبت اور تقویٰ کا درس دیتی ہے۔

صاحبِ استطاعت مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ صدقۂ فطر بروقت ادا کریں، تاکہ معاشرتی توازن قائم ہو اور حقیقی معنوں میں عید سب کے لیے خوشی کا پیغام بن جائے۔

ناریل کے تیل کی کرشمہ سازی

ناریل کے تیل سے آپ بخوبی واقف ہوں گے۔ یہ ہر گھر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کمزور اور خشک بالوں کے لیے مفید ہے۔ ناریل کا تیل سر پر ملنے سے بال مضبوط اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔ اس تیل سے بالوں میں نمی پیدا ہو جاتی ہے اور پھٹے ہوئے بال درست ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ خشکی سے پریشان ہیں تو رات کو بالوں میں ناریل کا تیل لگائیں، ایسا کرنے سے سر کا دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے۔ تیل رات بھر لگا رہنے دیں اور صبح اٹھ کر شیمپو آملہ سے سر دھولیں، خشکی ختم ہو جائے گی۔

چہرے کی جلد کو مضر اثرات سے بچاؤ کا آزمودہ نسخہ

اگر آپ چہرے کی جلد کو دھوپ کے مضر اثرات سے بچانا چاہتے ہو تو ملتانی مٹی میں ناریل کا پانی شامل کر لیں اور اس آمیزے کو چہرہ پر مل لیں۔ یہ عمل روزانہ کریں اس طرح سے آپ دھوپ کے مضر اثرات سے بچے رہیں گے اور جلد چمکتی دمکتی رہے گی۔ ناریل کے پانی کو اگر سر پر ملا جائے تو اس سے بال مضبوط ہو جاتے ہیں، اس کی خشکی ختم ہو جاتی ہے اور یہ گرنا کم ہو جاتے ہیں اور نئے چمکیلے بال اُگنے لگتے ہیں۔ ناریل کا پانی بالوں کے لیے عمدہ کنڈیشنر ہے۔

ناریل کا تیل

ہم میں سے بہت سے افراد کو پتا نہیں ہوگا کہ ناریل کا تیل استعمال کرنے سے جلد ملائم رہتی ہے۔ یہ صرف چہرے کی خشکی ہی دور نہیں کرتا بلکہ اس کے استعمال سے جھریاں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ سردیوں میں غسل کرنے کے بعد چہرے، ہاتھوں اور جسم کے دوسرے حصوں پر نیم گرم ناریل کا تیل لگانے سے خشکی اور خارش دور ہو جاتی ہے۔ سردیوں میں پھٹے ہوئے اور کھردرے ہونٹ پریشانی کا باعث ہوتے ہیں، ایسی صورت میں کوئی کریم استعمال کرنے کے بجائے ناریل کا تیل دن میں تین بار لگائیں۔ چند دن بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ہونٹ نرم و ملائم ہو گئے ہیں اور ان کا کھردرا پن بھی دور ہو گیا ہے۔ جوانی میں لڑکوں اور لڑکیوں کے چہروں پر کیل مہاسے نکل آتے ہیں، جن سے چہرہ بدنما ہو جاتا ہے اور بعض اوقات تکلیف بھی ہوتی ہے۔ اگر کیل مہاسوں سے نجات حاصل کرنا ہو تو ناریل کا تیل استعمال کیجیے۔ اس میں کچھ تیزاب ہوتا ہے، جس سے یہ شکایت دور ہو جاتی ہے۔

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

2200+

یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban

FOR ORPHANS

BAITUSSALAM

سکینہ منزل کی رونقیں

ناجیہ شعیب

جیب میں تنخواہ کے کڑکڑاتے نئے نوٹوں کی مسحور کن خوش بو اس کے اعصاب پر سوار تھی۔ اس کی مہینے بھر کی محنت کا صلہ اس کا رزقِ حلال، اس کے خون پسینے کی کمائی اس کے ہاتھوں میں موجود تھی۔ انٹرنیشنل بینک سے اپنی پوری تنخواہ پاکستان کے بینک میں ٹرانسفر کرنے کے بعد بے اختیار جاوید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ احساسِ تشکر سے اس کا دل لبریز تھا۔ رواں رواں اپنے پروردگار کی عنایت کردہ نعمتوں کا شکر ادا کر رہا تھا۔ وہ اپنا فرض ادا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تنکا تنکا جوڑ کر اماں نے بیرونِ ملک اسے ڈھیر سارا پیسہ کمانے کے لیے بھیجا تھا۔ اپنے پیاروں سے بہت دور سات سمندر پار وہ اکیلا تھا۔ کتنی عیدیں آئیں اور چلی گئیں۔ وہاں اماں اس کی یاد میں تڑپتی رہتیں، یہاں اسے بھی ایک پل قرار نہیں آتا تھا، مگر ذمے داریوں کا بوجھ اس قدر تھا کہ وہ اپنے ملک جانے کی بس حسرت ہی کر سکتا تھا۔ ہر سال عید اپنے گھر والوں کے ساتھ منانے کا ارادہ کرتا، مگر اس کے وسائل کم اور گھر والوں کے اخراجات زیادہ تھے۔ سو وہ ہر مرتبہ اپنا دل مسوس کر رہ جاتا۔

پرائے دیس میں ان تھک محنت سے کام کرتے اور ڈھیر سارے پیسے کماتے کماتے آٹھ سال گزر گئے۔ اس کے چھوٹے بہن بھائی بڑے ہو گئے تھے۔ اسکول جانے والے اب کالج جانے لگے تھے۔ دو بہنوں کی شادیاں بھی اسی کی کمائی سے ہو گئیں۔ بڑے بھائی کی ذمہ داریوں میں دن بدن اضافہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ دوسرا کوئی بھی اس کا بازو بننے کو تیار نہ تھا۔ بس ایک بوڑھی ماں تھی جو اس کی راہ تکتی رہتی۔ ہر عید، بقر عید پر اس کی کمی شدّت سے محسوس کرتی۔ باقی سب کو تو بس اس کے بھیجے ہوئے پیسوں سے مطلب تھا۔ وہ بہت دُکھی تھا۔

اس مرتبہ اماں فون پر بات کرتے کرتے بلک بلک کر رونے لگیں کہ انھیں چپ کروانا مشکل ہو گیا۔ انھوں نے ضد ہی پکڑ لی تھی۔ جاوید نے بہت سمجھایا، ہزار بہانے تراشے مگر سب بے سود ثابت ہوئے۔ اماں کسی طور راضی نہیں ہوئیں بس ایک ہی رٹ لگائے رکھی۔

”میں کچھ نہیں جانتی تم پاکستان آجاؤ۔“ وہ حیران پریشان کہ اماں کو یک دم کیا ہو گیا جو ایک ہی بات مسلسل دہرائے جا رہی ہیں۔ اس نے تنگ آ کر فون بند کر دیا۔۔۔ پھر وہ جب پاکستان آنے کا کہتیں، وہ انھیں ٹال دیتا۔

وہ بہت اداس تھا۔ آج بھی اس کے کانوں میں ابا جی کی حالتِ مرگ میں کی گئی آخری گفتگو گونج رہی تھی۔ انھوں نے نہایت نقاہت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر التجا کرتے ہوئے کہا تھا: ”بیٹا! میرے بعد تمام ذمے داری تمہارے کندھوں پر آ جائے گی۔ تم وعدہ کرو کہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی صحیح تربیت کے ساتھ ان کی ہر ممکن ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرو گے، جیسے وہ میری زندگی میں رہتے ہیں۔“ ابا جی نے اس کے ساتھ ہی چھوٹے بھائیوں کو بھی نصیحت کرتے ہوئے وصیت کی تھی کہ وہ اپنے بڑے بھائی کو باپ کا درجہ دیں گے اور اس کا کہا مانیں گے۔

مگر افسوس! اب تک صرف ایک جاوید ہی تھا جو مرحوم باپ کی آخری وصیت پر سختی سے کاربند تھا۔

آج چاند رات تھی اور کل عید۔ ہر طرف خوب گہما گہمی کا عالم تھا۔ بازاروں، گلی محلے میں لوگوں کی چہل پہل تھی۔ مساجد کو اعتکاف سے اٹھنے والوں کی آمد و رفت نے پُر رونق بنا رکھا تھا، روزے دار اللہ کے پیارے لیلۃ الجائزہ میں بھی عبادات میں مشغول تھے۔ انعام تو بنتا ہے نا! آپی اور باجی کے شوہر مسجد سے ابھی تک گھر نہیں لوٹے تھے۔ منجھلے بھیّا دودھ، دہی خریدنے کے لیے محلے کی دکان کے باہر قطار میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے اور چھوٹے بھیّا درزی کی دکان پر اپنے عید کے کپڑوں کی وصولی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

سکینہ منزل میں خوب افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ہر ایک کو اپنے ادھورے کام یاد آ رہے تھے۔ کوئی بہت خوش تھا تو کوئی پریشان۔۔۔ باجی گھر بھر کے کپڑوں میں ازار بند اور الاسٹک ڈالنے میں الجھی ہوئی تھیں۔ آپی باورچی خانے میں سویاں بنانے میں مصروف تھی۔ چھٹکی صفائی ستھرائی میں مگن اور چھوٹے بچے انھوں نے تو ایسا ہلڑ مچا رکھا تھا کہ کانوں پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ان سارے جھمیلوں سے بے نیاز اماں سب سے الگ تھلگ اپنے کمرے میں سجدے میں ہچکیاں لے لے کر دعائیں مانگنے میں مشغول تھیں۔

”ارے دیکھو! دروازہ کب سے بج رہا ہے۔ کسی کو بھی آواز سنائی نہیں دے رہی کیا؟“ آپی نے باورچی خانے سے چیخ کر کہا۔

سکینہ منزل کے داخلی دروازے پر کھڑے جاوید کو دیکھ کر وہ سب حیرت سے دنگ رہ گئے تھے۔

”بڑے بھیّا آپ۔۔۔۔۔؟“ بھانجے حیران ہو کر یہ سوچ رہے تھے کہ یہ بڑے بھیّا بھلا ہمارے کون ہیں؟

جاوید کی غیر متوقع آمد یہ سب گھر والوں کے لیے یقیناً بہت بڑا سرپرائز تھا۔ سب کے چہروں پر حیرت غالب تھی اور اماں کی خوشی دیدنی تھی، ان کی دعا جو قبول ہو گئی تھی۔ گویا عید سے پہلے ہی ان کی عید ہو گئی تھی۔

جاوید کو اپنے سامنے دیکھ کر اماں فوراً کلمۂ شکر بجا لائیں۔ سب بہن بھائی اپنے بڑے بھائی سے بہت محبت اور جوش سے ملے۔ اپنوں کے پاس آ کر جاوید کی اداسی اڑن چھو ہو گئی تھی۔ آج وہ سب خوش تھے، بہت خوش۔۔۔

ان کی یہ عید یادگار اور حسین ہونے والی تھی۔ رات دیر تک سب جاوید کو گھیرے میں لیے بیٹھے کھٹی میٹھی یادیں تازہ کرتے ہنستے روتے رہے۔ وہ تو اماں نے زبردستی سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر سلا دیا اور خود پوری رات صبح تک جاگ کر مختلف کاموں میں مصروف رہیں۔

عید کی صبح نمازِ فجر میں سارے گھر والے بیدار ہو گئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد سب کی نمازِ عید الفطر کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ نئے نکور لباس پہن کر بچے، بڑے جلدی جلدی عید گاہ کی طرف روانہ ہو گئے تو گھر میں خواتین سارا بکھیڑا سمیٹنے میں مصروف ہو گئیں اور مردوں کے گھر آنے سے پہلے پہلے وہ لوگ بھی عید کے کپڑے جوتے پہن کر تیار ہو گئیں۔

آپی اور باجی نے تو عید کے پکوانوں سے دستر خوان سجا دیا تھا۔ کباب، دہی بڑے، چھولے اور بڑے بھیّا کی پسندیدہ رس ملائی اور شیر خرما جو اماں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اماں جان! عید مبارک، عید مبارک۔۔۔“

”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! خیر مبارک، جگ جگ جیو! میرے بچو!“

اماں جی نے جاوید کی بلائیں لیتے ہوئے سب بچوں کو

بقیہ صفحہ نمبر 23 پر

محبت کی جیت

ثانیہ ساجد

پہلا حصہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

امام صاحب نے پہلے دائیں کندھے کی جانب سلام پھیرا، پھر بائیں طرف۔ عید کی نماز ختم ہوتے ہی تنویر نے ارد گرد کھڑے لوگوں سے عید ملنا شروع کیا۔ عیدگاہ میں خاصا رش اور گہما گہمی تھی، مسکراہٹیں، مصافحے، مبارک بادیں۔۔۔ مگر نجانے کیوں، اس ہجوم میں بھی تنویر خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہا تھا۔ وہ عیدگاہ سے سیدھا گھر جانے والا نہیں تھا۔ آج اس کا رُخ قبرستان کی طرف تھا، اپنی ماں کی قبر کی جانب۔ آج امی کے بغیر ہماری پندرھویں عید ہوگی۔ یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

وہ صرف بیس برس کا تھا جب اس کی والدہ ماجدہ اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔ اسے آج بھی وہ دن یاد تھا۔ وہ کراچی اجتماع میں گیا ہوا تھا جب چچا کا فون آیا: ”بیٹا، فوراً گھر واپس آ جاؤ! تمہاری امی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔“ تنویر نے یہی سمجھا کہ امی کسی بیماری کی وجہ سے ہسپتال میں ہوں گی، مگر جب دو گھنٹے بعد وہ ہسپتال پہنچا تو وہاں سفید چادر میں لپٹا ہوا امی کا بے جان جسم اس کا منتظر تھا۔

وہ لمحہ اس کے لیے اتنا شدید اور چونکا دینے والا تھا کہ اس صدمے کو پوری طرح محسوس کرنے میں اسے دو دن لگ گئے۔ اس دن وہ امی کی تدفین میں تو شامل ہوا تھا، مگر اپنی زندگی کے اندر پھیلنے والے اس ویرانے کو آج تک آباد نہ کر سکا۔

آج وہ خود تین بچوں کا باپ تھا، مگر ماں کی کمی اسے ہر روز، ہر لمحہ محسوس ہوتی تھی۔

انہی خیالوں میں گم، وہ بائیک اسٹارٹ کرنے ہی لگا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔۔۔ اور وہ چونک سا گیا۔

”ہیلو، تنویر!“ مسفرہ کی آواز میں صاف گھبراہٹ تھی۔ ”آپ کہاں ہیں۔“

”قبرستان کی طرف نکل رہا ہوں۔“ تنویر نے بیوی کی بے چینی کو محسوس کرنے کے باوجود انتہائی پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

”پلیز، پہلے گھر آ جائیں۔“ مسفرہ نے تقریباً التجا کے انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے، آ رہا ہوں۔“ بغیر کوئی سوال کیے تنویر نے حامی بھر لی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے کیوں بلایا جا رہا ہے۔

طلحہ، حذیفہ اور عمیمہ۔۔۔ یہ اس چھوٹی سی پلٹن کے نام تھے، جسے وہ مسفرہ کے پاس گھر چھوڑ آیا تھا۔ تینوں کی عمروں میں بمشکل ایک دو سال کا فرق تھا۔ ہم عمر ہونے کی وجہ سے ان کی نوک جھونک اور لڑائیاں بھی حد سے زیادہ تھیں اور ان کی ماں، مسفرہ۔۔۔ ایک جلد گھبرا جانے والی عورت! بچے ذرا سا بھی قابو سے باہر ہوتے تو سب سے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگتے اور پھر صورتِ حال سنبھالنے کی ذمہ داری تنویر پر آن پڑتی۔ یہ فون بھی اسی وجہ سے آیا تھا۔

رفتار تیز کرتے ہوئے جب وہ بائیک دوڑاتا ہوا گھر پہنچا تو دروازہ اس کی دس سالہ بیٹی عمیمہ نے کھولا۔ عمیمہ نے جامنی رنگ کا ٹو پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ قمیص گھٹنوں سے ذرا اوپر تھی اور ٹراؤزر قدرے ڈھیلا۔ بال اس نے کھلے چھوڑ رکھے تھے اور سر پر محض سرسری سا دوپٹہ ڈال رکھا تھا۔ ہاتھوں میں انگوٹھیاں تھیں اور کلائیوں پر تین، بریسلیٹ جنہیں اس نے بڑی ضد کر کے بنوایا تھا۔۔۔ اس پر خوب جچ رہے تھے۔ ڈوپٹہ بار بار اس کے سر سے سرک جاتا اور وہ بیزاری کے عالم میں بار بار اسے درست کرتی۔ بالکل رابعہ کی طرح۔

’السلام علیکم!“ عمیمہ نے تنویر کو سلام کیا۔

”وعلیکم السلام!“ کہہ کر وہ بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ آج نجانے کیوں اسے اپنی بیٹی عمیمہ میں اپنی چھوٹی بہن رابعہ، صاف نظر آ رہی تھی۔

”بابا! اندر نہیں آنا کیا؟“ عمیمہ نے اسے آواز دے کر جیسے خیالوں سے جھنجھوڑ دیا۔

”آ رہا ہوں۔۔۔“ رابی۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر بہن کا نام آتے آتے رگ گیا۔ آج نجانے کتنے برسوں بعد یہ نام اس کی زبان تک آیا تھا اور پھر واپس کہیں اندر ہی لوٹ گیا۔

اپنی اکلوتی بہن سے ناراضی، یہ فاصلہ پانچ برس پرانا تھا۔ ماں کو بچھڑے پندرہ سال ہو چکے تھے اور اکلوتی بہن سے ناتا توڑے بھی پانچ برس بیت گئے تھے۔

تنویر ان سب اَن کہی ناراضیوں، نفرتوں اور جھگڑوں کو دل میں پالتے پالتے اب تھک چکا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ ماں کی گود میں سر رکھ کر جی بھر کر رو لے۔۔۔ مگر اب وہ گود کہاں تھی؟

پل بھر میں آنسوؤں کا ایک ریلا آنکھوں تک آ پہنچا، مگر وہ اسے ضبط کر کے پی گیا۔

”بابا! طلحہ اور حذیفہ کب سے ویڈیو گیم کھیل رہے ہیں؟“ عمیمہ نے بھائیوں کی شکایت درج کروائی۔۔۔ بالکل اسی انداز میں، جیسے کبھی رابعہ تنویر کی شکایتیں کیا کرتی تھی۔

تنویر نے لاؤنج کی طرف دیکھا۔ دونوں بھائی ویڈیو گیم میں ایسے محو تھے جیسے دنیا و مافیہا سے کٹ چکے ہوں۔ سامنے سے مسفرہ مسکرا کر آئی۔

تنویر نے اسے گھور کر دیکھا۔ ”عید کی صبح بچوں کو ویڈیو گیم کون دیتا ہے؟“

”میں کیا کروں، تنویر؟“ مسفرہ نے بے بسی سے کہا۔

”یہ دونوں بھائی جانوروں کی طرح لڑ رہے تھے، قابو میں ہی نہیں آ رہے تھے۔۔۔ اس لیے دینا پڑا۔“ مسفرہ نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

”آپ انھیں عید کی نماز کے لیے بھی تو نہیں لے گئے۔“ اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے ساری کوتاہی تنویر ہی کی ہو۔

”تو بیگم! آپ نے بچوں کو تیار ہی نہیں کیا تھا۔“ تنویر نے ضبط کے ساتھ جواب دیا۔

”ان کے چکروں میں پڑتا تو میری اپنی نماز بھی جاتی۔“

”اچھا۔۔۔ چھوڑیں۔“ مسفرہ نے فوراً بات کا رُخ بدلا، جیسے اب بحث کا فائدہ نہ ہو۔

”اب تو سب فارغ ہیں نا؟ میں شیر خورما بنا کر لاتی ہوں، وہ پی لیں گے، پھر سب امی کے گھر چلیں گے عید ملنے۔“ یوں لگا جیسے اس نے پورے دن کی ترتیب ایک ہی سانس میں بتا دی ہو، کیوں کہ اس کی امی کے گھر جانے کے بعد رات سے پہلے واپسی تقریباً ناممکن ہوتی ہے۔

"آپ کا شیر خورما ابھی تک بننا شروع بھی نہیں ہوا۔۔۔" تنویر کا لہجہ یک دم سخت ہو گیا۔

"اور مجھے قبرستان بھی جانا ہے، میں نہیں رُک سکتا۔" وہ آگ بگولا ہو چکا تھا۔

"اچھا۔۔۔ تو پھر آپ اپنے ساتھ طلحہ اور حذیفہ کو بھی لے جائیں۔" مسفرہ نے فوراً جواب دیا، جیسے اسی موقع کی منتظر ہو۔

"ٹھیک ہے۔" تنویر نے مختصر سا کہہ کر حامی بھر لی۔

"بند کرو یہ گیم!" تنویر نے کڑک دار آواز میں پکارا۔

طلحہ نے آواز سنتے ہی کنٹرول سائیڈ پر رکھا اور فوراً چلتا ہوا آ گیا۔ مگر حذیفہ کو بات ذرا دیر سے سمجھ آتی تھی۔۔۔ تنویر نے لاؤنج میں جا کر ایل ای ڈی کا سوئچ براہِ راست بند کر دیا۔ تب جا کر حذیفہ کو ہوش آیا۔

"چلو، میرے ساتھ۔ ہم قبرستان جا رہے ہیں۔" تنویر نے حکم صادر کیا۔

حذیفہ نے گیم صوفے پر پھینکا اور اچھلتا کودتا باہر کی طرف لپکا۔ ابھی تنویر اس کا گیم اٹھانے ہی والا تھا کہ باہر سے عمیمہ کے رونے کی آواز سنائی دی۔

"بابا!!! حذیفہ مار رہا ہے۔" تنویر فوراً باہر نکلا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے اندر غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عمیمہ فرش پر بیٹھی رو رہی تھی۔

"تم کیسے بھائی ہو؟" وہ جھنجھلا اٹھا۔

اچانک اس کے ذہن میں بچپن کی ایک تصویر اُبھری۔ اس نے کبھی رابعہ پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ لڑائیاں ان کی بھی ہوتی تھیں اور تکرار بھی، مگر وہ بہن کو مارنے والا نہیں تھا اور پھر اسی دن، اسی لمحے، ان دونوں کی صلح بھی ہو جاتی تھی، سوائے اس ایک لڑائی کے۔

اس ایک دن کے بعد پانچ سال گزر گئے تھے اور اب تک صلح نہ ہو سکی تھی۔

"بابا! آپ کو نہیں پتا، یہ بہت بڑی ڈرامے باز ہے!" حذیفہ کی تیز آواز نے تنویر کو خیالوں کی دنیا سے واپس کھینچ لیا۔

"میں نے تو اسے بس ٹچ کیا تھا اور یہ رونا شروع ہو گئی!"

"جھوٹ، جھوٹ، جھوٹ!" عمیمہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے احتجاج کیا۔

"بہت زور سے مارا ہے، بابا!" اور یہ کہتے ہی وہ دھاڑے مار مار کر دوبارہ رونے لگی۔

اچانک حذیفہ نے ایک زور کی ٹیپلی عمیمہ کے سر پر دے ماری اور اکڑ کر بولا: "اب مارا ہے زور سے۔۔۔ رولو جی بھر کے!" بس، وہ لمحہ تھا جب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا۔

اس ایک حرکت کے بعد عمیمہ کا ساؤنڈ سسٹم پوری طرح آن ہو چکا تھا۔ تنویر نے حذیفہ کو کان سے پکڑا۔ وہ کچن میں اپنی ماں کے پیچھے جا کر چھپ گیا تھا، مگر تنویر اسے وہیں سے کھینچ کر باہر لے آیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب عمیمہ منہ بنا کر کمرے میں جا بیٹھی ہو گی۔۔۔ بالکل اسی طرح جیسے رابعہ کیا کرتی تھی، جب وہ بچپن میں اسے تنگ کیا کرتا تھا۔ حسبِ توقع عمیمہ کمرے میں ہی بیٹھی تھی۔ اس نے حذیفہ سے زبردستی سوری کروائی۔ عمیمہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا، نہ معافی قبول کی، نہ انکار کیا۔ بس چپ چاپ بیٹھی رہی۔ تنویر دونوں بھائیوں کو ساتھ لے کر گھر سے باہر نکلنے لگا۔

"ایک منٹ بابا۔۔۔ ایک منٹ!" طلحہ کی آواز آئی۔

"ابھی ذرا واش روم ہو کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر طلحہ غائب ہو گیا۔ تنویر حذیفہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے کھڑا رہا۔ کہیں وہ دوبارہ عمیمہ کو چھیڑنے نہ بھاگ جائے اور پھر پورے دس منٹ بعد جب طلحہ واپس آیا اور تینوں روانہ ہونے لگے تو پیچھے سے مسفرہ کی آواز آئی: "ارے، ذرا رکو!"

"اب کیا ہوا؟" تنویر نے خود کو ضبط میں رکھتے ہوئے کہا۔

"شیر خورما تیار ہو گیا ہے، آ کر پی لو۔" تنویر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زور سے دروازہ بند کیا اور سیڑھیاں اتر گیا۔ دونوں لڑکوں کو بائیک پر بٹھایا اور سیدھا قبرستان کی طرف چل پڑا۔

راستے میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے رخساروں کو چھوتے رہے، جیسے کسی انجانی تسلی کی کوشش کر رہے ہوں۔ نجانے کیوں اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ اس نے ایک لمحے کو بھی پونچھنے کی کوشش نہ کی۔

اور پھر۔۔۔ قبرستان آ گیا۔ تنویر نے امی کی قبر پر فاتحہ خوانی کی، پھول بچھائے اور پھر وہیں کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ امی سے باتیں کرے۔۔۔ جی بھر کر، دل کھول کر۔

"امی۔۔۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئیں؟" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"بیٹا! مجھے تو جانا ہی تھا۔" جیسے اس کے اندر سے امی کی آواز ابھری۔

"میرا وقت پورا ہو چکا تھا۔" (جاری ہے)

بقیہ

سکینہ منزل کی رونقیں

خوب دعائیں دیں۔

"بڑے بھیّا! عیدی دیں!" اپنی خالہ اور ماؤں کو بڑے بھیّا بڑے بھیّا کہتا دیکھ کر باجی کے بچوں نے جاوید کے سامنے لاڈ سے عیدی کا مطالبہ کیا تو ان کی دیکھا دیکھی آپی کے بچے بھی کورس میں لہرا لہرا کر 'بڑے بھیا عیدی دیں' کہنے لگے۔ باجی آپی کے ٹوکنے پر بچے بڑے بھیّا کے بجائے "بڑے ماموں! عیدی دیں، بڑے ماموں! عیدی دیں۔" کہنے لگے۔

ساری بچہ پارٹی نے جاوید کو دیکھ کر عیدی عیدی کا شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ ہر سال اپنی محنت سے کمائی رقم بصورتِ تگڑی عیدی بذریعہ بینک پاکستان بھیجنے والا جاوید اقبال آج خالی ہاتھ سر جھکائے چپ چاپ کھڑا تھا۔ اماں سے برداشت نہیں ہوا۔ ان کا محنتی سعادت مند بیٹا (جس کے بالوں میں چاندی چمکنے لگی تھی) اب کی بار ان کی خاطر اپنی ساری جمع پونجی لگا کر بالآخر پاکستان چلا آیا تھا۔ وہ دکھ سے بول اٹھیں۔

"ششش، خبردار! اس مرتبہ کسی کو بھی عیدی نہیں ملے گی۔"

"ہیں۔۔۔! مگر کیوں؟" سب نے اماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، بڑے بھیّا بھی اماں کو حیرت سے تکنے لگے۔

"آپ کے بڑے بھیّا بڑی مشکلوں سے اپنا ڈھیر سارا خرچ کر کے اتنی دور اتنے سالوں بعد ہمارے پاس صرف ہمارے ساتھ عید منانے آئے ہیں۔ انھوں نے ہمارے لیے اتنا کچھ کیا اور ہم نے انھیں بدلے میں کیا دیا؟" اماں کے گلوگیر لہجے نے سب بہن بھائیوں کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

"ہاں اماں! ہم نے بھیّا سے تحفے سمیٹنے اور پیسے بٹورنے کے علاوہ اور کیا ہی کیا ہے؟" آپی نے اماں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ چھوٹے اور منجھلے بھیّا سر جھکائے شرمندہ شرمندہ سے کھڑے تھے۔ انھوں نے اپنے محسن بڑے بھیّا کو ان کے احسانوں کا بدلہ چکانے کے بجائے مزید ذمہ داری کا بوجھ بڑھانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

"اماں جی! ہمیں تو ہماری عیدی مل چکی ہے۔"

"ہیں!" چھٹکی بہنا نے مسکراتے ہوئے ذو معنی انداز میں کہا تو سب فرطِ حیرت سے چلا اٹھے۔

"بھئی اس مرتبہ عیدی میں ہمیں بڑے بھیّا ملے ہیں اور بڑے بھیّا کی موجودگی ہماری سب سے بڑی اور تگڑی عیدی ہے۔"

"بے شک، بے شک!!!" سب نے تائید میں ہنستے ہوئے سر ہلایا۔ سکینہ منزل کی رونقیں لوٹ آئی تھیں۔

عید میں سوگ

انیسہ عائش

پرانے مسلے ہوئے سوٹ میں ملبوس اماں جی کا چہرہ غم و حزن کی تصویر بنا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے آتی خواتین جب گلے مل کر تعزیتی الفاظ دہراتیں تو ان کے ضبط کا بندھن ٹوٹ ٹوٹ جاتا۔ سارے میں ایک سوگ کی فضا طاری تھی۔ اس منظر میں قرات کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا، وہ باہر نکلتی چلی آئی۔

قرۃ العین بیاہ کر چھوٹے سے قصبے نما علاقے میں آئی تھی۔ اگرچہ یہ علاقہ شہر میں شمار ہوتا تھا، مگر شہر سے پرے قائم یہ تھوڑی سی آبادی دیہات نما تھی۔ قرۃ العین کے شوہر روزگار کے سلسلے میں بیرونِ ملک مقیم تھے۔ یہاں وہ اپنی ساس، سسر کے ساتھ رہتی تھی۔ قریب ہی اس کی نند رہتی تھی۔ ساس، سسر، ایک نند چھوٹی سی فیملی تھی۔ قرۃ العین کو شادی کے کچھ ہی ماہ میں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی ساس نہایت سادہ لوح اور نرم مزاج خاتون ہیں۔ اکلوتے بیٹے کی بہو ہونے کی حیثیت سے اس کے لاڈ اور چاہ اُٹھائے گئے۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ ایک اور چیز بھی اس نے نوٹ کی کہ اس کی ساس اسلام کے نام پر بہت سی غیر اسلامی رسوم و رواج اور بدعات کا شکار تھیں اور وہ یہ سب ثواب سمجھ کر بہت عقیدت سے کرتیں۔ حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد قرۃ العین نے نیت کی کہ وہ اس سب کو بدلنے میں اپنا کردار ادا کرے گی۔ یونہی ہنسی خوشی زندگی کے دن گزر رہے تھے کہ رمضان المبارک آ پہنچا۔ اپنی ساس اماں کے اصرار پر اس نے یہ عید سسرال میں منانے کا فیصلہ کیا۔ عید والے دن ساس امی تیار ہو کر عید نماز پڑھنے دوسری عورتوں کے ہم راہ عید گاہ گئیں۔ البتہ قرۃ العین نے گھر پر ہی رہنے کو ترجیح دی۔ واپسی پر وہ گھر آئیں تو بولیں: ”ثریا کے ہاں فوتگی کے بعد پہلی عید ہے، بیٹا آؤ تم بھی چلی چلو۔“ کچھ سوچ کر قرۃ العین بھی ان کے ساتھ چلی آئی۔ وہ وہاں پہنچے تو گھر کے افراد پرانے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ سب سے زیادہ ”ثریا اماں“ غم والم کا نشان بنی بیٹھی تھیں۔ تعزیت کے لیے وقفے وقفے سے خواتین آ رہی تھیں۔ قرۃ العین نے پہلے جنازے کی تلاش میں نگاہ دوڑائیں، میت نہ پا کر اندازہ لگایا کہ شاید فوتگی کو ایک دو روز گزر چکے ہیں، مگر اس کا ذہن اس بات پر الجھا ہوا تھا کہ اگر فوتگی دو چار روز پہلے بھی ہوئی تھی تو انھیں اطلاع کیوں نہیں ملی، کیوں کہ اس محلے میں سب لوگ گھل مل کر رہتے تھے اور ایک دوسرے کے حال سے بخوبی واقف رہتے۔ واپسی پر اس نے اپنی الجھن کا ساس امی سے ذکر کیا تو وہ ہنس دیں۔ ”ارے بٹیا! تمھیں کیسے پتا ہوتا، ثریا کی بیٹی کو فوت ہوئے تو چھ ماہ ہو گئے، یہ تو تمھاری شادی سے پہلے کی بات ہے۔“

”ایں۔۔۔! تو پھر ہم دوبارہ تعزیت کرنے کیوں گئے تھے؟“ قرۃ العین نے حیرانی سے ان سے پوچھا: ”بیٹا! فوتگی کے بعد ان کی پہلی عید ہے نا، اس لیے ان لوگوں کے غم بانٹنے۔“ انھوں نے ہم دردی بھرے لہجے میں کہا تو قرۃ العین مزید حیرت میں مبتلا ہو گئی۔ ”مگر کیوں؟ اس سے کیا ہو گا؟“ ”ارے بٹیا! کیا ہو گیا تمھیں، یہ رواج ہے پُرکھوں سے یہ ریت چلی آ رہی ہے، ثواب ملتا ہے۔“ ان کے جواب نے قرۃ العین کو افسوس میں مبتلا کر دیا۔ ”اماں! زندگی موت اللہ نے دی ہے۔“ ”بے شک بیٹی!“

”تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے زندگی گزرانے کے طریقے بھی بتلا دیے۔ پیارے نبی ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ اگر کوئی فوت ہو جائے تو اس کا سوگ تین دن سے زیادہ نہ منانا چاہیے، چاہے وہ بہن بھائی، ماں باپ یا کوئی بھی رشتہ ہو، سوائے شوہر کے۔ صحابہ کرامؓ بھی تین دن تک سوگ مناتے، تدفین اور تعزیت کرنے والوں سے فارغ ہو کر اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ہم جو یہ تیجا، ساتواں اور چالیسواں مناتے ہیں یہ سب غلط ہے۔ اس سے ثواب بالکل نہیں ملتا۔“ وہ نرم لہجے میں بول رہی تھی۔

”مگر کیسے؟ ہم تو سالوں سے مناتے آ رہے ہیں؟“ اماں جی اب تک تذبذب کا شکار تھیں۔

”وہ ایسے نا کہ اللہ، رسول کا حکم ہے۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناؤں۔ ہم سب کی ماں اُمُّ المومنین حضرت حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر شام سے ملی تو انھوں نے تیسرے دن زرد رنگ منگوایا، (جو اس زمانے میں عورتیں خوشبو کے طور پر استعمال کیا کرتی تھیں) اور اپنے چہروں اور ہاتھوں پر لگایا اور فرمایا: میں اس سے مستغنی ہوں، مطلب کہ مجھے اس کی ضرورت یا شوق نہیں ہے۔ میں یہ کام نہ کرتی اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ ”اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کی وفات پر کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔“ (صحیح مسلم)

”سبحان اللہ! کیسی نیک بی بی تھیں۔“ ساس امی عقیدت سے بول اٹھیں۔ بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ انھوں نے عمل کا وعدہ کر لیا۔ اگلے روز وہ ثریا کے گھر گئیں تو انھوں نے اپنے مخصوص پیار بھرے انداز میں ان کو اور وہاں موجود دوسری خواتین کو بھی سمجھایا۔ کچھ خواتین نے ان کی بات کو قبول کر لیا تو کچھ بول اُٹھیں کہ ”یہ کل کی آئی لڑکی کی باتوں میں اپنے پرکھوں کے رسم و رواج کو چھوڑنے چلی ہیں۔“ ایک نے سنگ دلی کی انتہا کرتے یہاں تک کہہ دیا: ”جب تمھارے ہاں کوئی فوت ہو گی تو دیکھوں گی، تم کیسے نہ دکھ مناؤ گی۔“ ان کی باتوں پر قرۃ العین افسوس اور ہدایت کی دعا کر کے رہ گئی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چھوٹی عید گزری۔ بڑی عید (عید الاضحیٰ) چلی آئی اور عید سے ایک ہفتہ قبل قرۃ العین کی نند کے فوت ہونے کی خبر ملی۔ ان پر گویا غم کا پہاڑ آن ٹوٹا۔ اچانک اور اتنی غیر متوقّع موت نے اماں تو اماں قرۃ العین کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ ایک بچے کی ماں اور اتنی کم عمری

سنّتِ نبوی

مہوش اسد شیخ

اسلامی تعلیمات، نبی کریم ﷺ کے فرمان انسانیت کی بھلائی کے لیے ہیں۔ سنّت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہو کر ہم نہ صرف اپنی آخرت سنوار سکتے ہیں بلکہ دنیاوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ کچھ سنتیں ایسی ہیں کہ کافی عرصے تک مجھے اس کا فائدہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ میں اس پر عمل کرنا ضروری تصور نہیں کرتی تھی، پھر میرے ساتھ کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ یہ سبق مجھے ازبر ہو گئے۔ میں نے دل و جان سے مان لیا کہ ہمارے نبی ﷺ کے ہر فرمان میں ہمارے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ برسات کا موسم تھا۔ اس رات بارش بھی خوب ہوئی اور واپڈا والوں نے بجلی بھی بند کر رکھی تھی۔ بجلی کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے ہی نیند مہربان ہو گئی۔ صبح آنکھ درد کی ایک تیز لہر کے ساتھ کھلی جو میرے کان میں اٹھی تھی۔ گاہے گاہے کان میں ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی پرندہ پھڑ پھڑا کر رہ جائے، میں تکلیف کی شدّت سے کان پر زور سے تھپڑ مارتی۔ سارا دن اس تکلیف میں گزار دی۔ کسی سے ذکر نہیں کیا کہ شاید خود ہی ٹھیک ہو جائے۔ ڈاکٹر کے نام پر میری جان جاتی تھی۔ رات جب خود کو تھپڑ مار مار کر تھک گئی تو امی جان کے سامنے رو پڑی، انھوں نے کان میں دیکھا کچھ دکھائی نہ دیا۔ تسلی دینے کو مجھے درد کش دوا دے دی اور صبح ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے منانے لگیں۔ تکلیف سے گھبرا کر میں نے نیم رضامندی دے دی۔

صبح اٹھی تو اچانک مجھے اپنے کان سے نکل کر کچھ اڑتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے بعد جیسے سکون آ گیا۔ وہ بھورے رنگ کی چھوٹی سی تتلی تھی۔ اس رات کہیں بستر پر موجود ہو گی، بستر جھاڑے بنا سو جانے کی وجہ سے وہ میرے کان میں گھس گئی اور جب جب وہ پھڑ پھڑا کر باہر نکلنے کی کوشش کرتی میں تھپڑ مار کر اس کی راہ مسدود کر دیتی تو وہ اندر ہی دُبک جاتی یا شاید مزید آگے جانے کی کوشش کرتی جو میری تکلیف میں اضافے کا باعث بنتا۔

حدیث کے مطابق سونے سے پہلے بستر جھاڑنا سنت ہے، کیوں کہ ممکن ہے کوئی نقصان دہ چیز اس پر آ گئی ہو اور یہ عمل تین بار کیا جائے اور ساتھ میں دعا بھی پڑھی جائے۔

بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ أَرْفَعُهٗ

دوسرا واقعہ میرے شادی کے بعد کا ہے۔ میں نے بارہا پڑھا تھا کہ جوتا ہمیشہ جھاڑ کر پہننا چاہیے، لیکن میں لاپرواہی دکھاتی تھی۔

ایک دن گھر کے کام کاج میں ایسی مصروف تھی کہ یاد ہی نہیں رہا۔ بیٹے کو اسکول سے لانا ہے، اچانک گھڑی پر نگاہ پڑی تو کافی وقت ہو چکا تھا۔ میں تیزی سے کمرے کی طرف بھاگی، عبایا اٹھایا اور سیڑھی پر رکھا جوتا پاؤں میں اڑستی باہر بھاگی، جیسے ہی جوتا پورا پہنا میری چیخ نکل گئی۔ دیکھا تو شیشے کا ایک ٹکڑا میری ایڑی میں گھسا ہوا تھا۔ توبہ۔۔۔ بہت دِقّت سے وہ ٹکڑا نکالا تو خون کی اِک لکیر باہر نکلی۔ اس وقت تو میں نے پروانہ کی اور بیٹے کو لینے بھاگی۔ چلنے میں بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ واپس آئی تو جوتا خون سے بھرا ہوا تھا۔ زخم صاف کیا اور پٹی باندھ دی۔ یاد آیا رات برتن اوپر لے جاتے ہوئے ایک پلیٹ گر کر ٹوٹ گئی تھی۔ سیڑھیوں پر جھاڑو لگا کر شیشہ چن دیا گیا تھا، لیکن ایک کرچی جوتے میں چلی گئی ہو گی، جس کا علم نہ ہو سکا۔ خیال آیا کاش! مجھے جوتا جھاڑ کر پہننے کی عادت ہوتی۔

جوتا پہننے سے پہلے اُسے جھاڑنا سنت ہے، تاکہ اس میں کوئی کنکر، کانٹا یا کیڑا نہ ہو۔ یہ نبی کریم ﷺ کی سنّت ہے اور اس سے پاؤں کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جوتا پہنتے وقت دائیں پاؤں سے شروع کرنا اور اتارتے وقت بائیں پاؤں سے شروع کرنا بھی سنّت ہے۔

جی ہاں! ہمارے نبی کریم کی بتائی کوئی بھی بات فضول و بے فائدہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ کی سنّتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

میں وفات پر ہر آنکھ اشک بار تھی، مگر قرۃ العین نے دیکھا کہ ان کی ساس اماں نے کس ضبط سے خود پر قابو پایا، نہ بین کیا اور نہ گلے پھاڑے۔ تمام کام پوچھ پوچھ کر اسلامی طریقے سے سرانجام دیے گئے۔ ان کے علاقے میں یہ پہلا جنازہ تھا جو اسلامی رسم و رواج کے مطابق جنازہ گاہ تک پہنچا، جہاں کچھ لوگ متاثر ہوئے تو کچھ خواتین اس موقع پر بھی دل توڑ دینے والی باتوں سے باز نہ آئیں۔ یوں ہی عید کا دن آ پہنچا۔ دل ہی اتنا افسردہ تھا، کیا عید اور کیا عید کی تیاریاں۔۔۔ قرۃ العین نے کپڑے بھی نہ بدلے۔ اسی اثنا میں اماں کپڑے تبدیل کیے اس کے پاس چلی آئیں اور بولیں: ”اٹھو بیٹی کپڑے بدلو! گھر کا حال سنوارو، کیا بھول گئیں کہ سوہنے رب کا حکم ہے سوگ تین دن سے زیادہ نہ منایا جائے۔ جاؤ اپنے میاں کے لیے تیار ہو۔“ (قرۃ العین کے شوہر، بہن کی وفات پر پاکستان آ گئے تھے)۔ یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بھرّا گئی، مگر وہ ضبط کرتی چلی گئیں۔ قرۃ العین نے دیکھا کہ کس طرح انھوں نے دوبارہ تعزیت کرنے کے لیے آنے والی سب خواتین کو صاف منع کر دیا کہ بہنوں! اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائیں گے اور نہ ہی ہم ساتواں منائیں گے۔ عید اللہ کا انعام ہے، تمھیں بھی عید مبارک ہمیں بھی!!

قرۃ العین ہمت کے اس پہاڑ کو عقیدت و محبت سے دیکھتی رہ گئی۔ واقعی انھوں نے جو کہا، کر دکھایا تھا۔ بہت سی خواتین ان کے جذبے سے متاثر ہوئیں تو کچھ یہ کہہ کر چلتیں بنیں کہ ”ارے! اسے تو اپنی جوان جہان بیٹی کے مرنے کا دکھ ہی نہیں ہے۔“ دو آنسو قرۃ العین کی آنکھوں سے ٹپکے اور گود میں جا گرے۔ اس نے روتے ہوئے موسٰی کو اٹھایا اور گلے سے لگا لیا۔

BAITUSSALAM LABORATORY & DIAGNOSTIC CENTRE

- Laboratory
- X-Ray
- OPD
- Dental Care
- Eye Care
- Ultra Sound & Color doppler

+92 21 35392634 +92 334 2982988 lab@baitussalam.org

پہلی عید

میمونہ عظیم

ہر طرف خوشیوں کا سماں، بچے، بڑے خوب صورت اور نئے کپڑے زیبِ تن کیے کافی مسرور نظر آ رہے تھے۔ مردوں کا پھر آپس میں معانقہ اور مبارک باد سے ماحول کینے، نفرت وعداوتوں سے بالکل شفاف معلوم ہو رہا تھا۔

عیدالفطر کی آمد روزے داروں کے لیے اللہ ربُّ العزّت کی بہترین پیش کش و تحفہ ہے۔

یہ اس کی شادی کے بعد پہلی عید تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی، لبوں پر مسکراہٹ مگر دل ودماغ کہیں اور تھا۔

"امی جان! میں نے اپنی بلیو فراک استری کر لی ہے۔"

"چلیں اچھا ہو گیا، اب یہ ماریہ کے بھی کر لو!" امی نے اپنی بیٹی کا سوٹ بڑھا کر کہا۔

"خود کر لے گی نا امی!" مونا نے منہ بنا کر کہا۔

اب اس سے پہلے کہ امی ناراض ہو جاتیں، مونا کی وضاحتیں شروع۔۔۔

"وہ دراصل میں اپنا میک اَپ وغیرہ کا سامان پیک کر لوں، پھر کل نانی امی کے ہاں جانا ہے نا۔"

"نہیں ضرورت! میرے ہاتھ سلامت ہیں، میں خود ہی کر لوں گی۔" چھوٹی بہن ماریہ اتراتی ہوئی میدان میں کود آئی۔"

مونا اپنے ایامِ ماضی کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی، وہ چہرے، مسکراہٹیں بڑی شدّت سے یاد آ رہے تھے اور وہ لڑائیاں اور جھگڑے جو منٹوں ہی نہیں، سیکنڈوں میں ختم ہو جاتے اور بُرا نہیں مانا جاتا تھا۔

وہ جگہ جہاں کینہ و نفرت کا نام و نشان نہیں تھا۔ چار سو صرف محبت ہی محبت کی فضائیں قائم تھیں۔

مگر وقت و زمانہ بہت جلدی گزر جاتا ہے۔ وہ اپنی نظریں دروازے سے باہر ڈالے انہی سوچوں میں گم تھی کہ سب کچھ کتنا جلدی بدل گیا۔

اب ہر چیز نئی، نیا ماحول، نیا گھر و گھرانہ۔

اس گھر میں بچے نہیں تھے، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سب کچھ بدل چکا تھا۔ بہنوں کی چہچہاہٹ کوسوں دور ہو چکی تھی، مگر ہاں! بہنوں کی شکل میں ندیں موجود تھیں۔ بیشک وہ بڑی تھیں، مگر ہر طرح سے بہن سے بڑھ کر خیال رکھتی تھیں۔

اب یہاں پر امی تو نہیں البتہ ماں کے روپ میں رقیق القلب، شفیق و نرم مزاج ساس صاحبہ ضرور موجود تھیں، جو اپنی بیٹیوں جیسا پیار و محبت دیتی تھیں۔

"مونا بیٹی! جلدی تیار ہو جاؤ اور ہاں! ریڈ والی چوڑیاں بھی پہنو، پھر مل کر سویاں کھاتے ہیں۔" ساس صاحبہ دور سے ہی آوازیں دینے لگیں۔

یادوں کے اشکوں سے بھری ہوئی آنکھیں پونچھ کر مونا "جی اماں" کہتے ہوئے چوڑیاں پہننے لگی اور دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اگرچہ سب کچھ بدل گیا ہے، مگر پیار و محبت زندہ ہے۔

یہ رب کے احسانات تھے کہ مونا اپنے گھر میں خوش تھی اور جلد ہی سب کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔

"سب سے پہلے اس کی حق دار تم ہو۔" سیف صاحب نے عیدی بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اور میرا گفٹ۔۔۔؟" مونا نے سیف کے دوسرے ہاتھ پر نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا جو کہ خالی تھا۔

"ارے بابا! وہ بھی مل جائے گا، وہ دیکھو! سامنے ٹیبل پر رکھا ہوا ہے۔" سیف نے اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دونوں کی مسکراہٹ کے ساتھ کمرے میں پنک کلر کی دھیمی لائٹنگ نے ہر چیز کو خوب صورت و دل کش بنا دیا۔

عیدالفطر کو جس طرح میٹھی عید کہا جاتا ہے، یقیناً یہ رشتوں کی خوب صورتی اور مٹھاس سے ہی خوشیوں کے رنگ بھرتی ہے اور اس کے برعکس جہاں نفرتوں کی آتش فشاں ہر آن جلتی رہتی ہو، وہ سکون نگل جاتی ہے اور عید کا دن عام دنوں سا بلکہ ان سے زیادہ کہیں زیادہ اُداس و غمگیں محسوس ہوتا ہے۔

اک شادی شدہ لڑکی کے لیے دوسرے گھر کو اپنانا پھر اپنا سمجھنا ابتدا میں مشکل ضرور ہوتا ہے، لیکن جب ساس نندوں اور شوہر کی عزّت و محبت مل جائے تو جنّت سے کم نہیں ہوتا۔

البتہ اپنی ماں اور بہن بھائیوں کا رشتہ بھی کچھ نایاب ہے، جو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔

یہ دل خوشیوں سے لبریز ہو کر بھی امی بابا کی یادوں سے غم زدہ ہو جاتا ہے۔

مگر ہاں۔۔۔!!!

جب احساس کی فضا قائم ہو تو دل کی اُداسی منٹوں میں تھم جاتی ہے۔

"مونا! عبایہ پہن لو! امی کے ہاں چلتے ہیں۔" سیف کے اس جملے سے مونا چونک جاتی ہے۔

"گھور کر کیوں دیکھ رہی ہو؟ چلنا نہیں کیا۔۔۔؟"

"ہوووں۔۔۔ابھی پہنتی ہوں۔" مونا روہانسی دھیمی آواز سے بولی۔

"مونا! تم رو رہی ہو؟"

سیف کے قریب آنے اور اس استفسار پر مونا اپنے آنسو پونچھ کر کہنے لگی: "یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ آپ کو پتا ہے، تھوڑی دیر پہلے میں امی کا ہی سوچ رہی تھی اور اس سلسلے میں اداسی چھا گئی تھی۔"

"ہاں جی! جبھی تو میں لے کر جا رہا ہوں، تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں، تم بے شک نہ بھی بولو، میں تمہاری آنکھیں اور تمہارا چہرہ پڑھ لیتا ہوں۔" سیف نے دل جوئی سے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

مونا خوشی و محبت سے مسکرا دی اور اس خوب صورت رشتے اور نصیب پر ربّ ذوالجلال کا شکر ادا کیا۔

”اماں! عائشہ ہے ویڈیو کال پر، آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہے!“

اماں جو پسینوں میں شرابور بڑی تندہی سے اپنے گملوں میں گوڈی کرنے میں مشغول تھیں۔ بڑے مصروف سے انداز میں ہاتھ ہلا کر بولیں: ”ارے بھئی منع کر دو اسے! ابھی وقت نہیں میرے پاس۔ مجھے اپنا کام کرنے دو، میں بعد میں بات کرلوں گی۔“ اماں میں نے کہا ہے۔

”لیکن وہ نہیں مان رہی۔“ فرح موبائل اٹھائے وہیں گیلری میں آ گئی، جہاں اماں ایک قطار میں رکھے اپنے سارے پودوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھیں۔

عائشہ اسکرین پر منہ بسورے نظر آئی تو اماں ہنس پڑیں اور اپنی کھرپی اوپر اٹھا کر کہنے لگیں۔۔۔ ارے رگ جاؤ عائشہ بیٹی! بس یہ تھوڑا سا کام اور رہ گیا، پھر تمہاری بات سنتی ہوں۔

عائشہ کو مطمئن کر کے وہ دوبارہ اپنے کام میں لگ گئیں۔ کئی پودوں میں پھول کھلے تھے اور کہیں کہیں کچھ غنچے نظر آ رہے تھے۔۔۔ ٹماٹر اور ہری مرچیں بھی جوبن پر تھیں۔ ننّھے منّے پودوں نے ماحول کو بڑا خوب صورت اور جان دار بنا دیا تھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ ہاتھ دھو کر آئیں، آرام سے صوفے پر بیٹھیں اور ویڈیو کال ملالی۔ سلام دعا کرتے ہی عائشہ شروع ہو گئی۔

”اماں بھئی کیا آپ ہر وقت اپنے پودوں میں لگی رہتی ہیں، ایسا لگتا ہے وہی آپ کی سگی اولاد ہیں۔ ہم تو اتفاقاً کسی سیارے سے اس گھر کی چھت پہ ٹپک پڑے اور آپ نے اٹھا کے پنگوڑے میں ڈال دیا کہ لو بھئی۔۔۔ پودوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی پل جائیں گے!“

عائشہ نے خوب منہ بنا کے احتجاج کیا، جس پر اماں کی ہنسی بہت جاندار تھی۔ ارے پگلی! بھلا پودوں اور اپنے کوکھ جایوں کا بھی کوئی مقابلہ ہے!! یہ تو بس دل بہلانے کے لیے ایک شغل اپنا رکھا ہے۔ چلو چھوڑو سب باتیں۔۔۔ تم سناؤ سب خیریت ہے؟ سسرال میں سب اچھے ہیں نا؟ ایسے کیوں اتاؤلی ہوئی جا رہی تھیں بات کرنے کے لیے؟

”ارے نہیں اماں! ویسے تو سب خیریت ہی ہے۔ بس ذرا ایمان میں کچھ کمی واقع ہو رہی تھی تو میں نے سوچا اماں سے ڈوز لے لوں۔“

اماں دھیرے سے ہنس دیں: ”بولو بیٹی کیا مسئلہ ہو گیا؟“

”اماں بات دراصل یہ ہے کہ پورے رمضان المبارک میں نے باقاعدگی سے تہجد کی نماز پڑھی ہے اور میرا ارادہ تھا، اب میں ہمیشہ تہجد پڑھا کروں گی، لیکن عید کے بعد سے سچی ایک بار بھی نہیں اٹھا گیا۔ ہر روز ارادہ کر کے سوتی ہوں، لیکن جب الارم بجتا ہے تو نیند کا ایسا باؤ ہوتا ہے کہ الارم بند کر کے پھر سو جاتی ہوں۔ بس پھر فجر میں ہی اٹھتی ہوں!“

”چلو شکر ہے! فجر میں تو اٹھ جاتی ہو، ورنہ پچھلے سال تو رمضان کے بعد تمہاری فجر بھی اکثر قضا ہی ہو رہی تھی۔“

”ارے ہاں اماں! یہ خوب یاد دلایا آپ نے۔ الحمدللہ اس بار عید کے بعد سے میری کوئی فجر قضا نہیں ہوئی، لیکن وہ جو میں نے تہیہ کیا تھا اور اتنی دعائیں مانگی تھیں کہ اب ہمیشہ تہجد پڑھا کروں گی وہ پورا نہیں ہو پا رہا، اماں! کیا کروں میں؟“ عائشہ نے رونی سی صورت بنائی۔

”دیکھو بیٹی! رمضان المبارک میں تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ ہر نیک عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، لیکن رمضان کے بعد ویسی نورانیت تو نہیں رہتی نا۔۔۔!! بس پھر تو بندے کو اپنے آپ پر بہت جبر کر کر ناپڑتا ہے، بہت محنت کرنی پڑتی ہے اور کسی نیک عمل کے کرنے میں انسان جتنی مشقت برداشت کرتا ہے، اتنا ہی اجر بھی پاتا ہے۔ تو تم بھی تھوڑی ہمت کر کے اٹھ جایا کرو لاڈو!“ (اماں نے بڑے پیار دلار سے اسے ”لاڈو“ کہا اور عائشہ کے تن من میں ماں کی ممتا کی پھوار سی برس گئی۔)

مگر پھر اٹھلا کر بولی: ”وہی تو کہہ رہی ہوں اماں! نہیں اٹھا جا رہا کوئی ترکیب بتا دیں پلیز!“

”اچھا بیٹی! ایسا کرو بس تم اپنے دل کو یہ سمجھا لو کہ میں نے ہفتے میں صرف ایک دن اٹھ کر تہجد کی نماز لازمی پڑھنی ہے، بس پھر پورا ہفتہ چھٹی۔۔۔ بھلا ایک دن اٹھنا کیا مشکل ہے!! بس پہلے ایک دن اٹھنے کی عادت بناؤ، پھر آہستہ آہستہ دن بڑھاتی جانا، ہفتے میں دو دن پھر تین دن۔۔۔ پھر اللہ نے چاہا تو روز اٹھنا بھی آسان ہو جائے گا۔“

ہاں اماں! یہ تو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔ بھلا ایک دن اٹھنے میں کیسی مشکل!! ہفتے میں ایک ہی دن اٹھنا ہے نا! کسی بھی دن اٹھ جاؤں گی۔ کل نہ سہی تو پرسوں سہی!!

اماں اس کے تسلی بھرے انداز پر مسکرا اٹھیں۔

اری نادان! لیکن رات سوتے وقت بہت سچے دل سے دعا کر کے سونا کہ ربّ العالمین تہجد کے وقت اپنے محبوب اور مقرّب بندوں کے ساتھ تمہیں بھی اپنے سامنے کھڑا کر لے اور ہاں ایک بات اور۔۔۔ فجر کا وقت داخل ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے اٹھ جایا کرو بس۔ دو چار رکعتیں سکون سے پڑھ لو گی اور کچھ دعا بھی مانگ لو گی تسلی سے۔۔۔ بس اتنے میں فجر کی اذان ہو جائے گی تو پھر فجر کی نماز بھی ادا کر لینا، دیکھا۔۔۔ کتنا آسان ہے تہجد پڑھنا!! بس ہم لوگوں نے ہی مشکل بنا رکھا ہے۔

اور سچ بات تو یہ ہے بیٹی! جب انسان ارادہ پختہ کر لے نا۔۔۔ تو پھر کچھ مشکل نہیں رہتی۔ نفس بہت منہ زور گھوڑا ہے، اسے لگام ڈالنا آسان نہیں! جیسے نفس انسان کو حیلے بہانے کر کے ورغلا لیتا ہے نا، بالکل اسی طرح انسان کو بھی چاہیے کہ نفس کو بہلا لے۔ ایسا تھوڑی کہ نفس کے سامنے بالکل ہی چت ہو جائے اور اس کے اشاروں پر ناچنے لگے۔

”ہاں اماں! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“ عائشہ نے پُرزور تائید کی۔

دوسرے دن جب فجر سے نصف گھنٹہ پہلے الارم بجا تو بجائے سونے کے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بس ایک ہی دن تو پڑھنی ہے نا۔۔۔ تو آج ہی پڑھ لیتی ہوں! اس نے اپنے نفس کو بہلایا اور وضو کرنے چل دی۔۔۔!

تہجد کے فرشتے عائشہ کو جائے نماز پر سجدہ ریز دیکھ کر شاید خوشی سے مسکرائے ہوں۔۔۔ لیکن شیطان یقیناً مایوس ہو کر سر پہ خاک ڈالتا ہوا نکلا ہو گا۔۔۔!!! اور عائشہ کی مانگی گئی کتنی ہی دعائیں جو بیچ راستے میں پڑی تھیں، قبولیت کے لیے اوپر اٹھالی گئی ہوں گی، کیوں کہ یہ تہجد کا مبارک وقت ہی ایسا ہے کہ ربّ العالمین اپنے بندوں کے دل کی صدائیں سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔

شیطان کے سر پہ خاک

ام محمد سلمان

وائے کیا واں اجڑ گیا

سعدیہ اجمل

"بھیا ہمیں چھٹیاں کیوں ہوگئیں؟"

اسکول سے اچانک بے وقت چھٹیاں ہو جانے پر ننھی عائفہ نے اپنے بڑے بھائی سے پوچھا۔

"آپ کو اچھا نہیں لگا، چھٹیاں تو آپ کو بہت پسند ہیں نا؟"

عمر نے بڑے پیار سے عائفہ کو کہا۔ جی بھیا! مجھے چھٹیاں اچھی لگتی ہیں کیونکہ چھٹیوں میں ہوم ورک زیادہ نہیں ہوتا اور میں آپ سب کے ساتھ زیادہ سارا وقت گزار سکتی ہوں۔ لیکن اب مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ کیوں گڑیا؟ اب اچھا کیوں نہیں لگ رہا؟ عمر نے تعجب سے پوچھا۔

جس دن چھٹیاں ہوئیں تو ہم سب نے ٹیچر سے پوچھا کہ اسکول کب آنا ہے تو انہوں نے پتہ کیا کہا۔ کہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہو سکتا ہے آپ کے پیپرز بھی گھر میں ہی ہوں۔ دیکھیں نا بھیا ایسے بھی کوئی ہوتا ہے؟ عائفہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا اور عمر لاجواب ہو گیا۔

اب وہ اپنی پیاری بہن کو کیا بتاتا کہ آج کل اس علاقے کے لوگوں پر کیا مصیبت آن پڑی ہے۔

◆◆◆

عمر اور عائفہ کشمیر کے ایک خوبصورت علاقے میں اپنے والدین کے ساتھ ہنسی خوشی رہتے تھے۔ ان کے ابو کی اپنی بیکری تھی اور گزر بسر کا دارومدار اسی پر تھا۔ عمر گیارہویں جماعت اور عائفہ پریپ میں پڑھتی تھی۔ دونوں بہن بھائی اپنے والدین کے فرمانبردار تھے۔ زندگی یونہی خوشحال گزر رہی تھی اور یہ علاقہ اب تک بھارتی فوجیوں کے مظالم سے مامون تھا کہ اچانک بھیڑیوں کی نظر اس علاقے پر بھی پڑ گئی اور انہوں نے وہاں بھی اپنے پنجے گاڑ لیے۔

خوش و خرم اپنی زندگیوں میں مگن کشمیری اس اچانک افتاد پر بہت پریشان تھے۔ تعلیمی ادارے بند کر دیے گئے۔ خوف کے مارے کوئی گھر سے نہ نکلتا۔ سارا نظامِ زندگی درہم برہم ہو گیا تھا۔ عمر کو اپنی خوبصورت اور نازک سی بہن بہت عزیز تھی جسے اس نے اللہ سے بہت دعاؤں کے بعد لیا تھا۔ عمر سے اس کی تھوڑی سی پریشانی تک برداشت نہ ہوتی اسی لئے وہ اسکول بند ہونے کی اصل وجہ اس کو بتا کر غمگین نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ متفکر سا دعا گو تھا کہ حالات جلد ہی ٹھیک ہو جائیں۔

◆◆◆

"بابا شام کو واپس آتے ہوئے میرے لئے چاکلیٹ۔۔۔۔۔ یٹ!" ابو، امی اور عائفہ ناشتہ کر رہے تھے کہ عائفہ کو اپنی چاکلیٹ یاد آئی۔

"بری بات بیٹا ناشتہ تو آرام سے کرو۔" امی نے ٹوکا۔

"کیوں نہیں بیٹے! ہماری گڑیا کو چاکلیٹ بہت پسند ہے نا، ضرور لاؤں گا۔" ابو نے شفقت سے کہا۔

عمر اور عائفہ دونوں بہن بھائی چھٹی کے دن بھی جلدی اٹھنے کے عادی تھے اور سب روزانہ مل کر ناشتہ کرتے، لیکن ان دنوں عمر online کلاسز ہونے کی وجہ سے بعد میں ناشتہ کرتا اور ناشتے کے بعد تقریباً دس بجے کے قریب ابو کے پاس بیکری میں چلا جاتا۔ بیکری چونکہ گھر کے قریب تھی اس لیے ابو اب بھی بیکری جاتے تھے۔ ابو نے ناشتہ کیا اور عائفہ کو پیار کرتے بیکری جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"سنیے! مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے آج آپ بیکری نہ جاتے!" امی نے پریشانی سے کہا۔

"اری بھلی مانس! کچھ نہیں ہوتا اللہ مالک ہے اور بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔" ابو نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"اللہ آپ کا محافظ ہو۔" امی نے ڈھیروں خدشوں کے ساتھ دعا دی۔

آمین۔۔۔! دروازہ اندر سے اچھی طرح بند کر لینا۔

ابو نے تاکید کی۔ جی ٹھیک ہے۔

امی نے اداسی سے جواب دیا اور ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

◆◆◆

"اچھا امی میں نکلتا ہوں اب۔" عمر کلاس لینے کے بعد ناشتے سے فارغ ہوا اور بیکری میں جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آج نہ جاؤ بیٹا! میرا دل بہت پریشان ہے۔ تمہارے ابو کو بھی روک رہی تھی لیکن وہ سنتے ہی کہاں ہیں۔" امی نے فکرمندی سے کہا۔

"میری پیاری امی! پریشان نہ ہوں، آپ اتنی دعائیں کرتی ہیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔" عمر نے امی کی گردن میں لاڈ سے کہا۔ امی نے قد میں خود سے اونچے بیٹے کی دل ہی دل میں نظر اُتارتے ہوئے دعا دی۔ جگ جگ جیو! اور عائفہ کہاں ہے؟ عمر نے پوچھا" باہر صحن میں کھیل رہی ہے۔" امی نے کہا۔

"بیٹا ذرا دھیان سے جانا۔۔۔" امی نے عمر پر دم کرتے ہوئے تاکید کی۔

جی امی، عمر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

عمر جب باہر نکلا تو دیکھا کہ عائفہ دالان میں گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

وہ اس کے پاس گیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے بولا؛" اچھا تو میری گڑیا یہاں بیٹھی اپنی گڑیا کے ساتھ کھیل رہی ہے اور میں اسے سارے گھر میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔" اوہ بھیا آپ مجھے آواز دے دیتے۔ عائفہ نے اپنی پیاری سی بولی میں کہا۔

"اچھا گڑیا اب میں بیکری جا رہا ہوں تو تمہارے لئے کیا لانا ہے؟" عمر کو پتہ تھا کہ عائفہ چاکلیٹ کی فرمائش کرے گی اس کے باوجود پیار سے پوچھا۔

چاکلیٹ! عائفہ نے جوش سے کہا۔

عائفہ کے پیارے سے انداز پر عمر

مسکرا اٹھا۔ دور کھڑی امی آن کو دیکھ کر پُرنم سا مسکرائیں۔ عمر اُٹھا امی کو اشارے سے خدا حافظ کہا اور باہر نکل گیا۔

امی نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا لیکن انہیں پتہ نہ چلا کہ دروازہ کھلا رہ گیا ہے بند نہیں ہوا۔

یہ کیا؟ بھیا کا بٹوہ تو یہیں رہ گیا۔

عاکفہ کی نظر عمر کے بٹوے پر پڑی جو شاید اُٹھتے ہوئے اس کی جیب سے گر گیا تھا۔

چلو کوئی بات نہیں میں دے کر آتی ہوں بھیا اور بابا مجھے دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔

حالات سے بے خبر عاکفہ نے معصومیت سے سوچا اور خوش باش سی باہر نکل گئی۔

عمر جیسے ہی بیکری میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بھارت فوجی ابو پر بندوق تانے کھڑے تھے اور بیکری کا سارا سامان اِدھر اُدھر بکھرا پڑا تھا۔

ابو مجبور سے درمیان میں بیٹھے ان کے سوالوں کے جواب دے رہے تھے۔

یہ سب دیکھ کر عمر کا خون کھول اٹھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" اس نے غصے سے کہا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن ابو کو اس طرح لاچار دیکھ کر وہ شدید آگ بگولا ہو گیا تھا۔

عمر کو ان پر اس طرح چلّاتا دیکھ کر ابو کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا، جانے اب وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ کاش! عمر یہاں نہ آتا۔ انہوں نے بے چارگی سے سوچا اور بھرائی آواز میں بولے؛ عمر بیٹا تم جاؤ یہاں سے، کچھ نہیں ہوا۔

"میں نہیں جاؤں گا بابا! اور آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ ہوتے کون ہیں یہ سب کرنے والے۔" عمر طیش میں چلّایا۔

عمر کے اس طرزِ تخاطب پر بھارتی فوجیوں نے باآواز قہقہے لگائے۔ بھئی جوانی تو خوب ہے لونڈے میں! خون جوش مار رہا ہے۔ کیوں نہ دیکھیں کہ جوانی کا جوش مارتا خون کیسا دِکھتا ہے۔ ایک شیطان نے خباثت سے کہا اور باقیوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

عا۔۔۔عاک۔۔۔عاکفہ۔۔۔!

ابو مارے خوف کے بولے۔ عمر کو ان کی باتیں سن کر حالات کی سنگینی کا احساس ہوا اور پھر جیسے ہی ابو کے منہ سے عاکفہ کا نام سنا تو عمر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو عاکفہ بیکری میں داخل ہو رہی تھی اور اس کے ہاتھ میں عمر کا بٹوہ تھا۔ بھیا یہ آپ کا بٹوہ وہیں گر گیا تھا۔

عاکفہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر بھارتی فوجیوں کو دیکھتے ہوئے حیرانی سے بولی؛ یہ انکل کون ہے ہیں اور یہ ان کے ہاتھوں میں Guns کیوں ہیں؟

عمر بے بسی کی تصویر بن کر رہ گیا۔ اِدھر آؤ بیٹا! ہم آپ کے پیارے انکل ہیں۔ بھارتی فوجیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہوئے کہا اور عاکفہ کی طرف بڑھنے لگے۔ خبردار! میری بہن کو کچھ نہیں کہنا میں نے بدتمیزی کی ہے نا تو مجھے سزا دو۔ عمر نے بے چارگی سے کہا۔

سزا تو ملے گی نہ صرف تمہیں بلکہ تمہارے باپ اور بہن کو بھی اور ویسے بھی ہمیں چھوٹی چھوٹی پیاری پیاری بچیوں کا خون بھی بہت پسند ہے۔ ایک بھارتی درندہ کمینگی سے بولا۔

عاکفہ نا سمجھی کے عالم میں یہ سب باتیں سن رہی تھی۔ بھارتی درندے عاکفہ پر جھپٹنے ہی لگے تھے کہ عمر درمیان میں آ گیا۔ گولی چلی اور عمر کے وجود کے آر پار ہو گئی۔ عمر کی چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ عمرررر! ابو لرز گئے۔ بھیاااا۔۔۔! عاکفہ عمر کی طرف دوڑی اور اس سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ گڑیا چلی جاؤ یہاں سے۔ عمر نے تکلیف سے چور بند ہوتی آنکھوں سے کہا۔ نہیں بھیا! آپ کو چوٹ لگی ہے میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔

انکل پلیز میرے بھیا کو نہ ماریں ان کو درد ہو رہا ہے۔

بابا۔۔۔! اُٹھیں نا بھیا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتے ہیں۔ عاکفہ چلا رہی تھی۔

عمر کبھی بے بسی سے اپنی جان سے پیاری بہن کو روتے ہوئے دیکھتا تو کبھی ان بے حس درندوں کو کہ شاید انہیں کچھ رحم آ ہی جائے۔ لیکن ان کے دلوں میں رحم کی ذرا سی رمق بھی نہ تھی بلکہ وہ سب تو اس دردناک منظر سے لطف اندوز ہو کر قہقہے لگا رہے تھے۔

ابو جو عمر کی اس حالت پر بے جان مورت بنے بیٹھے تھے اچانک کرنٹ کی رفتار سے اٹھے، عاکفہ کو گود میں اٹھایا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ جب بھارتی فوجیوں نے ان کو بھاگتے دیکھا تو ظالموں نے ان کے اسی بازو پر گولی ماری جس سے انہوں نے عاکفہ کو اٹھایا ہوا تھا۔ عاکفہ ان کے ہاتھ چھوٹ کر دور جا گری۔

بابا۔۔۔! وہ دردناک آواز میں چلائی۔ ایک درندہ آگے بڑھا اور عاکفہ کے سر پر بندوق کا دستہ مارا۔ معصوم جان درد سے بلبلانے لگی۔

ابو نے جب یہ منظر دیکھا تو لرز گئے اور ہمت مجتمع کر کے اُٹھنے ہی لگے تھے کہ ایک بھارتی فوجی نے ان کے سر پر گولی ماری اور وہ وہیں ڈھے گئے۔ بھارتی فوجی ٹھڈوں سے عاکفہ کو مار رہے تھے اور وہ درد سے چلّا رہی تھی۔ یہ آخری منظر ابو اور عمر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

ابے یار! اب بند بھی کرو یہ تماشا اور کام ختم کرو اس کا، اس کے رونے نے سر میں درد کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک بھارتی شیطان جو دور کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا تنک کر بولا۔ اس کی یہ بات سنتے ہی ظالموں نے نہ صرف عاکفہ کے ننھے وجود کو گولیوں سے چھلنی کیا بلکہ اس کا چہرہ تک مسخ کر دیا۔ وہ چیخ چلاتی رہی لیکن کسی کو بھی اس معصوم سی بچی پر رحم نہیں آیا۔

اِدھر جب امی باہر صحن میں آئیں اور انہوں نے دیکھا کہ عاکفہ وہاں نہیں ہے اور دروازہ بھی کھلا ہوا ہے تو ان کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ انہوں نے عاکفہ کو سارے گھر میں تلاش کیا لیکن وہ نہ وہاں تھی نہ ملی۔

یا خدایا! کہاں چلی گئی عاکفہ! گولیاں چلنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ وہ پریشانی سے گویا ہوئیں۔

اللہ خیر کرے! مجھے باہر جا کر دیکھنا چاہیے۔ ڈھیروں خدشے لیے وہ باہر نکلیں اور تقریباً بھاگتے ہوئے بیکری میں پہنچیں تو دیکھا کہ کارواں اُجڑ گیا تھا۔

تین بے جان وجود وہاں پڑے تھے۔ ان کا دل دہل گیا اور اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے دھڑام سے زمین پر جا گریں اور ان کی جان نکل گئی۔ ظالموں نے پل بھر میں ہنستا بستا گھرانہ نیست و نابود کر دیا تھا۔

حیا

حفصہ محمد فیصل

علی، بینش، عمیر اور ثمرہ چاروں آپس میں چچازاد بہن بھائی تھے۔ چاروں ایک بڑے سے گھر میں اپنے دادا دادی اور امی ابو کے ساتھ ہنسی خوشی رہتے تھے۔ چاروں کی خوب گہری دوستی تھی۔ وہ سارے کھیل اکٹھے کھیلتے تھے۔ چاروں کی عمروں میں معمولی سا فرق تھا۔ ایک دن وہ چاروں پکڑم پکڑائی کھیل رہے تھے کہ عمیر کا دھکا بینش کو لگا، جس کے نتیجے میں بینش علی پر جا گری۔ بینش کے پیر پر چوٹ آئی۔ سب اس کا پائنچہ تھوڑا اونچا کر کے دیکھنے لگے بلکہ عمیر نے تو ہاتھ لگا کر تسلی بھی دی۔

دادا جان صحن میں کرسی پر بیٹھے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔ یہ ساری کارروائی دادا جان کے سامنے ہوئی اور اسی وقت دادا جان کے ذہن میں ایک خیال آیا۔

شام میں دادا جان نے سب بچوں کو اپنے پاس بلایا اور دادی جان اور بہوؤں سے مونگ پھلیاں لانے کو کہا۔ جب سب بچے اور گھر کی خواتین جمع ہو گئیں تو دادا جان نے سب سے پہلے بینش کے پاؤں کی چوٹ کے متعلق پوچھا۔ بینش نے پھر پائنچہ اونچا کر کے سب کو دکھایا، دادا جان نے اسے پائنچہ نیچا کرنے کا کہا اور بتایا کہ ایسی باتوں میں حیا کرنی چاہیے۔

"حیا کیا ہوتی ہے؟" عمیر اور ثمرہ نے ایک ساتھ سوال کیا۔

"ہمم! یہی بتانے کے لیے تو اپنے پیارے پیارے بچوں کو یہاں جمع کیا ہے۔" دادا جان مسکرائے۔

دادی جان نے سب کو مٹھی مٹھی بھر مونگ پھلیاں دیں۔ اب سب بچے مونگ پھلیاں کھاتے ہوئے توجہ سے دادا جان کو دیکھنے لگے۔

"حیا کا مطلب ہے "شرم" یعنی وہ کام جس سے ہمیں شرم محسوس ہو وہ حیا ہے۔

جیسے جیسے آپ بڑے ہوتے جائیں گے ویسے آپ کو بہت سارے کاموں میں حیا محسوس ہو گی۔ جیسے ابھی بینش نے بلا جھجک اپنا پائنچہ اونچا کر کے سب کو زخم دکھایا، جب کہ اس میں حیا کرنی چاہیے تھی۔ اللہ تعالیٰ خود بھی حیادار ہیں اور اپنے بندوں میں بھی حیا کو پسند کرتے ہیں، اسی لیے "حیا کو ایمان کا حصہ کہا گیا ہے۔"

عمیر کا دھکا لگنے سے بینش کا علی پر گرنا بھی غلط تھا اور پھر عمیر کا بینش کو چھونا بھی مناسب نہیں تھا۔ اس لیے لڑکوں اور لڑکیوں کو علیحدہ علیحدہ کھیل کھیلنے چاہیے۔"

ساتھ ہی اپنے "ستر" کا خیال رکھنا چاہیے۔

یہ "ستر" کیا ہے؟

یقیناً یہ سوال آپ سب کے ذہن میں آ رہا ہو گا۔ دادا جان نے خود ہی وضاحت کی۔

تو پیارے بچو! ستر کے معنی ہیں "پردہ" اور ستر کے معاملے میں لڑکیوں کو بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔ اسی طرح لباس کو اوپر نیچے کرنا یا پھر بہت زیادہ چست لباس پہننا بھی ہمارے دین میں پسند نہیں کیا گیا، اس میں حیا اور ستر کا خیال رکھنا چاہیے۔"

بچوں کو دادا جان کی باتیں سمجھ آ گئی تھیں۔ اب عمیر اور علی اپنا کھیل کھیلتے جب کہ بینش اور ثمرہ اپنا کھیلتیں۔ کبھی کبھی کوئی ان ڈور گیم جیسے لڈو وغیرہ ایک ساتھ کھیلتے۔

چند دنوں بعد رشتے داروں میں سے کسی کی شادی کا دعوت نامہ آیا۔ بچے بہت خوش ہوئے کہ نئے نئے کپڑے پہن کر اور اچھا تیار ہو کر دعوت میں جائیں گے اور مزے مزے کے کھانے کھائیں گے۔

"نہیں، نہیں۔۔۔ مجھے علینہ جیسا سوٹ ہی خریدنا ہے۔" ثمرہ ضدی لہجے میں بولی۔

دادی جان بہو اور پوتی کی آواز سن کر کمرے میں آئیں۔

"کیا ہوا ہماری گڑیا کو؟"

"دادی جان! علینہ نے ایک پیارا سا سوٹ بنوایا ہے، جس میں آستین بھی نہیں ہیں، مجھے علینہ جیسا ہی سوٹ چاہیے۔ آپ کہیے نا امی سے!" ثمرہ لاڈ سے بولی۔

"ثمرہ! آپ کو یاد ہے، اس دن دادا جان نے حیا کے بارے میں بتایا تھا۔"

"جی یاد ہے۔"

"آپ کو پتا ہے، بغیر آستین کے کپڑے پہننا اور بچیوں کا ڈوپٹہ نہ لینا بھی بے حیائی ہے۔"

"جی دادی جان! ہماری اسلامیات کی استانی نے بھی ہمیں یہ بات سمجھائی تھی، اسی لیے اب میں ہر کپڑے کے ساتھ پوری آستین پہنتی ہوں اور امی جان سے کہہ کر ہر سوٹ کے ساتھ ڈوپٹہ بھی بنواؤں گی۔" کمرے کے پاس سے گزرتی بینش نے آنکھیں پٹپٹا کر بتایا۔

"شاباش! میری گڑیا۔۔۔" دادی جان نے بینش کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"اب ہماری ثمرہ کا کیا خیال ہے؟" دادی جان نے پوچھا۔

"میں بھی پوری آستین اور ڈوپٹے والے کپڑے پہنوں گی۔" ثمرہ سوچتے ہوئے بولی۔

دادی جان نے دونوں پوتیوں کو گلے لگا لیا۔

"نہیں چھوڑوں گا، رک جاؤ!" عمیر، علی کے پیچھے بھاگتا ہوا صحن تک پہنچ گیا۔

جب کہ علی اسے چڑاتا ہوا دادا جان کی کرسی کے پیچھے جا چھپا۔

"ارے بھئی! کیا معاملہ ہے، کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ؟"

"دادا جان! میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔" عمیر غصے سے غرّایا۔

دادا جان نے عمیر کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھایا اور علی کو کرسی کے پیچھے سے سامنے آنے کو کہا۔ "اب آرام سے بتاؤ، کیا معاملہ ہے؟" دادا جان نے عمیر سے سوال کیا۔

"وہ، وہ دادا جان! میں کمرے میں کپڑے تبدیل کر رہا تھا کہ؛ علی بنا دستک دیے اندر آ گیا اور مجھے چڑانے لگا۔" عمیر شرمندہ سا ہو کر بولا۔

"علی بیٹا! یہ بھی بے حیائی ہے کہ کسی کو بنا کپڑے دیکھ کر ہنسنا اور اس کو چڑانا۔"

"اور عمیر! ہمیشہ کپڑے تبدیل کرنے سے پہلے دروازے کو کنڈی لگانی چاہیے، تاکہ ایسا کچھ

بقیہ صفحہ نمبر 33 پر

عبادت کا نیا پن

عمرانہ نعمت اللہ

زویا کا بچپن تلاوتِ قرآن کی گونج میں گزرا تھا۔ جب وہ چھوٹی سی تھی، تب ہی اس کے لبوں پر قرآنی آیات اور عربی کی دلفریب نظمیں تھیں، پھر وہ حافظہ ہوئی اور بہت کمال کی حافظہ! قرآن پڑھتی تو اس کی سہیلیاں استانیاں اور عام خواتین سبھی اس کے چہرے کو تکتی رہتیں، پھر زویا عالمہ بنی اور اپنی بڑی باجی سے درسِ قرآن و حدیث کا فن بھی سیکھا۔ جب وہ درس دیتی، بیان کرتی تو اس کے الفاظ موتیوں کی طرح جھڑتے۔ اس کی آواز اور لہجے میں وہ تاثیر جو سننے والے کے دل میں اتر جایا کرتی تھی۔

لوگ کہتے تھے: ”زویا تو وہ خوش نصیب لڑکی ہے، جس کے دن روزوں میں اور راتیں سجدوں میں گزرتی ہیں۔“ اس کی انفرادیت اس کا علم تھا اور اس کا غرور اس کا وہ مصلّی تھا جو اس کے کمرے کے ایک گوشے میں اس کا منتظر رہتا۔

شادی کا بندھن اور بدلتی رُتیں

پھر زویا کی زندگی میں حارث آئے۔ حارث، جو خود ایک جید عالمِ دین، حافظِ قرآن اور نہایت وجیہہ نوجوان تھے۔ شادی کے ابتدائی چند مہینے خوابوں کی طرح گزر گئے، مگر اصل امتحان تب شروع ہوا جب رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ اپنی تمام تر رحمتیں سمیٹے زویا کی دہلیز پر آن کھڑا ہوا۔

یہ شادی کے بعد زویا کا پہلا رمضان تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اور حارث مل کر راتیں تلاوت میں گزاریں گے، وہ حارث کو قرآن سنائے گی اور حارث اسے۔۔۔ مگر حقیقت کا رُخ ذرا مختلف نکلا۔ حارث ایک مسجد میں تراویح سنا رہے تھے اور گھر میں بوڑھے ساس سسر کی خدمت، سحری اور افطاری کے انبار اور مہمانوں کی آمد و رفت نے زویا کے اس ”روحانی ٹائم ٹیبل“ کو خاصا درہم برہم کر دیا جو اس نے برسوں سے سنبھال رکھا تھا۔

پیاسی روح کی تڑپ

رمضان کا پہلا عشرہ گزرا تو زویا کے دل میں ایک عجیب سی ہوک اٹھنے لگی۔ وہ سحری کے لیے ڈھائی بجے اٹھتی، مگر مصلّے پر جانے کی بجائے اسے کچن کا رُخ کرنا پڑتا۔ پراٹھوں کی خوشبو، سالن کی تپش اور برتنوں کی کھنک اس کے اذکار کی جگہ لے چکے تھے۔ حارث جب سحری کر کے مسجد جاتے تو زویا تھکن سے چور ہو کر بستر پر گر پڑتی۔ ظہر کے بعد جب وہ چاہتی کہ دو پارے تلاوت کرے تو ساس اماں کی آواز گونجتی: ”بیٹی! ذرا میری کمر میں درد ہے، تھوڑا دبا دو گی؟“ اور زویا، جو تربیت یافتہ عالمہ تھی، سر جھکا کر ساس کی خدمت میں جت جاتی، مگر اندر ہی اندر اس کا دل رو رہا ہوتا۔

اسے لگتا کہ وہ ”قاریہ زویا“ کہیں کھو گئی ہے۔ اسے اپنا آپ ایک معمولی ”باورچن“ لگنے لگا۔ اسے محسوس ہوتا کہ اس کا رب اس سے ناراض ہو گیا ہے، تبھی تو اسے اپنی یاد سے دور کر کے کچن کے کاموں میں لگا دیا ہے۔ ایک رات جب حارث تراویح سنا کر گھر لوٹے تو انھوں نے دیکھا کہ زویا مصلّے پر سر رکھے سسک رہی ہے۔

حارث نے تڑپ کر پوچھا: ”زویا! خیریت تو ہے؟ کیا کسی نے کچھ کہا؟“ زویا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: ”حارث! میرا رمضان ضائع ہو رہا ہے۔ میں نہ تلاوت کر پا رہی ہوں، نہ تہجد پڑھ پا رہی ہوں۔ میں تو لٹ گئی ہوں۔“ حارث نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر زویا کا دکھ بہت گہرا تھا، اسے لگتا تھا کہ نیکی صرف وہی ہے جو مصلّے پر بیٹھ کر کی جائے۔

بڑی باجی سے ملاقات جہاں گرہیں کھلتی ہیں

پندرہ رمضان کو زویا کو اپنی معلّمہ ”بڑی باجی“ کے ہاں افطار کی دعوت پر جانے کا موقع ملا۔ بڑی باجی وہ ہستی تھیں جنھوں نے زویا کو قرآن کے حروف کے ساتھ ساتھ زندگی کے معنی بھی سکھائے تھے۔ جب سب لڑکیاں افطار کے بعد ذکر و اذکار میں مصروف تھیں، زویا ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔

بڑی باجی اس کے پاس آئیں اور بڑے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا: ”زویا، میری ہنس مکھ قاریہ! آج اتنی اداس کیوں ہے؟“ زویا کے صبر کا بندھن ٹوٹ گیا۔ اس نے اپنا سر بڑی باجی کی گود میں رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ”باجی! میں ایک ناکام عالمہ ہوں۔ میں ایک ایسی حافظہ ہوں، جس کا رمضان کچن کے دھوئیں اور خدمت کے چکر میں پھیکا پڑ گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میرا رب مجھے بھول گیا ہے۔“ ایسا نہیں کہ میں تلاوت نہیں کرتی۔۔۔ کام کاج کے ساتھ روزانہ دس پارے تو پڑھ ہی لیتی ہوں، لیکن تنہائی میں پڑھنے کے لطف سے محروم ہو گئی ہوں اور رمضان کی شوہر کے ساتھ گزارنے کی وجہ سے مصلے پر گزاری جیسی تو نہیں نا!!

بڑی باجی نے ایک گہری سانس لی اور زویا کو اپنے سامنے بٹھایا۔ ان کی آنکھوں میں وہ دانائی تھی جو برسوں کی ریاضت سے آتی ہے۔ ”بیٹی! تم نے تو قرآن پڑھا ہے، کیا تم نے اس کی روح کو نہیں سمجھا؟ سنو! نیکی کا ایک روپ 'ذکر' ہے اور دوسرا روپ 'فکر' ہے۔ تم پہلے صرف 'عابدہ' تھیں، اب تم 'محسنہ' ہو۔ جب تم حارث کے لیے سحری بناتی ہو تو تم صرف روٹی نہیں پکا رہی ہوتیں، تم ایک 'حاملِ قرآن' کی خدمت کر رہی ہوتی ہو۔ حارث جب مصلّے پر کھڑے ہو کر کلامِ الٰہی سناتے ہیں تو ان کے ہر حرف کا ثواب تمہارے کھاتے میں جاتا ہے، کیوں کہ ان کی اس توانائی کے پیچھے تمہاری محبت اور تمہاری محنت ہوتی ہے۔“

بڑی باجی نے زویا کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہا:

”زویا! تمہارا مصلّا اب تمہارا پورا گھر ہے۔ تم جب ساس کے پاؤں دباتی ہو تو تمہارے ہاتھ اللہ کے محبوب بندوں کی خدمت میں ہوتے ہیں۔ تمہارا علم تمہیں یہ نہیں سکھاتا کہ تم مصلّے پر بیٹھ کر دوسروں کو بھوکا پیاسا چھوڑ دو، بلکہ علم تو وہ ہے جو تمہیں 'ایثار' سکھائے۔ تم روتی کیوں ہو؟ تمہارا رب تو تمہاری نیتوں کو دیکھ کر تمہیں 'دوہرا اجر' دے رہا ہے۔۔۔ ایک

خدمت کا اور دوسرا اس تڑپ کا جو تم تلاوت کے لیے رکھتی ہو۔"

ایک نیا جنم: محبت اور بندگی کا سنگم

بڑی باجی کے الفاظ زویا کی روح میں اتر گئے۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں سے پٹی ہٹادی ہو۔ وہ گھر لوٹی تو وہ پرانی زویا نہیں تھی۔ اب اس کے چہرے پر وہی دیرینہ مسکراہٹ تھی، مگر اب اس میں ایک عجز اور سکون بھی شامل تھا۔

اگلے دن جب وہ سحری بنانے کھڑی ہوئی تو اس نے تسبیح کا ایک نیا طریقہ ڈھونڈ لیا۔ وہ آٹا گوندھتی تو سورۂ رحمٰن کی تلاوت کرتی۔ وہ سالن کو تڑکا لگاتی تو درود شریف کا نذرانہ پیش کرتی۔ اب اسے محسوس ہوتا کہ کچن کی تپش دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا سامان بن رہی ہے۔

جب حارث کمرے میں آتے تو وہ انھیں شکایت بھری نظروں سے نہیں، بلکہ محبت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتی۔ ایک دوپہر حارث نے دیکھا کہ زویا ساس اماں کے ہاتھ پاؤں دبا رہی ہے اور ساتھ ساتھ انھیں قرآن کے قصے سنا رہی ہے۔ ساس اماں کی آنکھوں میں دعائیں تھیں اور زویا کے چہرے پر اطمینان۔

حارث اس کے قریب آئے اور سرگوشی میں کہا: "زویا! تم اس گھر کی برکت ہو۔ تمہارے آنے سے میرے علم میں بھی برکت آگئی ہے۔" زویا نے مسکرا کر جواب دیا: "حارث! میں تو بس اپنی 'عبادت کا نیا روپ' سیکھ رہی ہوں۔"

عید کی صبح: اجرِ عظیم کا دن

رمضان رخصت ہوا اور عید کا چاند نظر آگیا۔ زویا کو اس بار وہ ملال نہ تھا جو پچھلے برسوں میں رمضان کے جانے پر ہوتا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اس بار ایک ایسی منزل پالی ہے جو صرف سجدوں سے نہیں ملتی۔

عید کی صبح زویا نے حارث کے لیے ان کا پسندیدہ سفید لباس نکالا، اسے عطر سے بسایا۔ خود بھی روایتی لباس پہنا اور آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی۔ اسے لگا کہ اس کی آنکھوں میں جو چمک ہے، وہ پہلے کبھی نہ تھی۔ یہ وہ نور تھا جو "رضائے الٰہی" کے حصول کے بعد کسی کے چہرے پر اترتا ہے۔

حارث نمازِ عید پڑھ کر واپس آئے تو سیدھے زویا کے پاس آئے۔ انھوں نے ایک خوب صورت سی ڈبیا زویا کے ہاتھ پر رکھی۔ "یہ کیا ہے؟" زویا نے حیرت سے پوچھا۔ حارث نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نہایت جذباتی لہجے میں کہا: "یہ تمہاری اس محبت کا شکریہ ہے زویا، جس نے میرے رمضان کو 'رمضان' بنایا۔ تم نے میری، میرے ماں باپ کی اور میرے گھر کی جو خدمت کی ہے، اس کا اجر تو اللہ ہی دے گا، مگر یہ تمہارے اس شوہر کی طرف سے ایک ادنیٰ سا تحفہ ہے جو تمہاری رفاقت پر فخر کرتا ہے۔ تم سچ مچ ایک 'عالمہ' ہو، کیوں کہ تم نے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنا سیکھ لیا ہے۔"

زویا نے ڈبیا کھولی تو ہیرے کی انگوٹھی اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی، زویا کے آنسو چھلک پڑے، مگر یہ اداسی کے نہیں، تشکر کے آنسو تھے۔ اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی عید مل چکی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا رمضان پھیکا نہیں تھا، بلکہ وہ تو خوشبوؤں اور نیکیوں کے ایسے دوہرے اجر سے بھرا ہوا تھا، جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

اس دن زویا نے سمجھ لیا کہ عبادت صرف سجدہ ریزی کا نام نہیں، بلکہ اللہ کی مخلوق کے چہرے پر مسکراہٹ لانا بھی بندگی کی معراج ہے۔ وہ ایک ایسی دلہن تھی، جس نے شادی کے بعد پہلی عید پر اپنے رب کو بھی راضی کر لیا تھا اور اپنے مجازی خدا کو بھی۔

بقیہ حیا

ہو ہی نا۔۔۔ یہ بھی حیا ہے کہ بند کمرے اور علیحدہ جگہ پر کپڑے تبدیل کرنا چاہیے۔"

"جی دادا جان! میں سمجھ گیا، مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے کمرہ بند نہیں کیا۔"

"اور علی بنا دستک دیے کسی کے بھی کمرے میں نہیں جانا چاہیے، آپ کو پتا ہے قرآنِ مجید کی ایک پوری آیت اسی بات کو سمجھانے کے لیے نازل ہوئی ہے کہ "بنا دستک دیے کسی کے بھی کمرے میں داخل نہ ہوا جائے۔"

"ہمارے گھر میں تو بچیاں بھی ہیں، اس لیے اور زیادہ احتیاط کرنی چاہیے اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے تو بچوں کا ایک بستر اور ایک لحاف میں سونا بھی پسند نہیں فرمایا بلکہ اسے بھی بے حیائی کی نشانی فرمایا ہے۔"

دونوں بچوں نے دادا جان سے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ان باتوں ضرور خیال رکھیں گے۔

عمیر کو آج کل ٹی وی دیکھنے میں بہت مزہ آ رہا تھا۔ امی بھی خوش تھیں کہ ایک جگہ ٹک کر بیٹھا ہے، ورنہ ہر وقت دوڑتا بھاگتا رہتا تھا۔ آج ٹی وی دیکھتے ہوئے عمیر چینل بدلنے لگا اور مختلف چینل پر اسے کچھ عجیب چیزیں نظر آئیں، جنہیں دیکھ کر اس کے ذہن میں "بے حیائی" کا لفظ گونجا۔ اس نے فوراً آنکھیں میچ لیں اور اندازے سے چینل تبدیل کر کے پھر کارٹون دیکھنے لگا۔۔۔ لیکن اب اسے کارٹون دیکھنے میں بالکل مزا نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ٹی وی بند کیا اور دادا جان کے پاس جا پہنچا۔

"دادا جان! مجھ سے ایک غلط کام ہو گیا ہے، وہ "بے حیائی" والا۔" عمیر جھجکتے ہوئے بولا۔

پھر اس نے دادا جان کو ساری کیفیت بتائی۔

پہلے تو دادا جان نے اسے شاباش دی کہ اسے گناہ کا احساس ہوا، پھر دادا جان نے سب بچوں کو بلوایا اور بتایا کہ؛ "جب کبھی آپ سے کوئی گناہ یا بے حیائی کا کام ہو جائے یا دل میں ایسا کوئی خیال آئے تو فوراً "استغفر اللہ" کا ورد کرنا چاہیے۔ اس ورد سے شیطانی وسوسے اور خیالات ہم سے دور بھاگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی رہتے ہیں۔"

سب بچوں نے دادا جان سے اتنی اچھی بات بتانے پر جزاک اللہ خیراً کہا۔

بیت السلام موبائل ایپ

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

- قبلہ ڈائرکشن
- ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
- آن لائن ڈونیشن
- زکوۃ کیلکولیٹر
- لائیو اور ریکارڈ بیانات
- روزمرہ کی دعائیں
- قرآن کریم
- نماز ٹائمنگ

نیکی کا سفر

قانتہ رابعہ

"واجد علی،

رول نمبر تین" ماسٹر صاحب نے دسویں کلاس کی حاضری لینے کے لیے رجسٹر کھول کر نام پکارنا شروع کیے۔ رول نمبر ایک اور دو کی حاضری لگاتے ہوئے ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ واجد آج بھی نہیں آیا ہو گا۔

کلاس کا ذہین بچہ، پڑھائی سے شوق رکھنے والا، محنت سے جی نہ چرانے والا۔۔۔ پچھلے ہفتے اس نے پے در پے تین چار چھٹیاں کی تھیں۔ ماسٹر صاحب نے آئندہ اسکول سے چھٹی کرنے پر بھاری جرمانے کی سزا سنائی تو وہ چند دن بغیر ناغہ کے آنے لگا، اس کے بعد آج پھر چھٹی۔

"حیرت ہے، ایسا کبھی ہوا تو نہیں"

جس بچے نے اپنی ساری تعلیمی زندگی میں سات آٹھ چھٹیاں نہ کی ہوں، مینہ ہو، آندھی طوفان ہو یا زلزلہ! وہ وقت سے پانچ سات منٹ پہلے ہی اسکول میں موجود ہوتا تھا۔

اب کیا ایسا ہو گیا کہ اس نے دو ہفتوں میں سات آٹھ چھٹیاں کر لیں!

ابھی اسی پریشانی میں تھے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے ملازم کے ہاتھ ایک بچے کی عرضی بھیجی۔

رجسٹر بند کر کے انھوں نے چشمہ آنکھوں پر ٹکایا اور کاغذ پر نظر ڈالتے ہی انھیں جھٹکا لگا۔

درخواست اسکول سے نام کے اخراج کی تھی اور درخواست گزار کا نام واجد علی تھا۔

انھوں نے عرضی کے متن کو بغور پڑھا: "والد کے انتقال کی وجہ پڑھائی جاری رکھنا ناممکن ہے۔ برائے مہربانی میرا نام کلاس دہم سے خارج کر دیا جائے۔"

بات تو پریشانی کی تھی۔ انھوں نے اگلے بچے کی حاضری لگائی۔۔۔ لیکن سارا دن اسکول میں بچوں کو پڑھاتے ہوئے وہ یہی سوچتے رہے کہ واجد بہت سنجیدہ، ذہین اور محنتی طالب علم تھا، ایسا کون سا طریقہ ہو کہ وہ اس کی تعلیم بھی جاری رکھوا سکیں اور وہ اپنی روزی روٹی کا سلسلہ بھی قائم رکھے۔

اتفاق سے انھیں واجد کی رہائش کا علم تھا۔

"میں اسکول سے واپسی پر ضرور رابطہ کروں گا" اپنے آپ سے انھوں نے پروگرام طے کیا۔

اسکول سے واپسی پر ماسٹر صاحب کو واجد کا گھر ڈھونڈنے میں تھوڑی سی دقت ہوئی، کیوں کہ شہر سے دور ایک نئی کالونی میں اس کا گھر واقع تھا۔ دو مرتبہ دستک دینے سے واجد ہی باہر آیا۔ اس کا چہرہ تھکا ہوا اور خود بھی قدرے سست دکھائی دے رہا تھا۔ ماسٹر صاحب کو سامنے دیکھ کر بوکھلا کر "السلام علیکم" کہنے کی بجائے "وعلیکم السلام" کہا تو ماسٹر صاحب کو سمجھ میں آ گیا کہ وہ بہت نروس ہو رہا ہے۔

"بیٹا! اسکول سے بہت چھٹیاں ہو گئیں، آپ تو ماشاء اللہ ہونہار طالب علم ہو۔"

"میرے ابا جی حادثے میں فوت ہو گئے۔" بتاتے ہوئے واجد کی آواز بھرّا گئی۔

"اوہ۔۔۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ماسٹر صاحب نے کہا۔ ان کو اپنا بچپن یاد آ گیا، بالکل اسی طرح اچانک یتیم ہوئے اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان کی ماں بہت سمجھ دار تھیں، وہ چاہتی تھیں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ نہ رُکے اس لیے اس نے ہر طرح کی قربانی دی۔ لوگوں کے گھر میں کھانا بنانے تک جاتی رہی، گھر میں مختلف اچار چٹنیاں بنا کر فروخت کرتی، مختلف کام کر کے اس نے اپنے بچوں کی تعلیم مکمل کروائی تھی۔

آج وہ اپنے ہونہار شاگرد کو اس حال میں دیکھ رہے تھے تو ان کے دل کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔

انھوں نے ایک دَم فیصلہ کیا اور واجد کے سر پر ہاتھ رکھا۔

یتیم بچے کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنا کتنے ثواب کا کام ہے، یہ وہی جانتے تھے۔

"بیٹا! کیا تم بتا سکتے ہو کہ کون سی ملازمت ہے اور تمہارے گھر کے کیسے حالات ہیں؟" ماسٹر صاحب نے پوچھا۔

"ابا جی ایک سپر اسٹور پر ملازم تھے۔ مالک نے ابا جی کی ایمان داری اور محنت کی وجہ سے پیشکش کی ہے کہ میں چاہوں تو اس جگہ پر کام کر سکتا ہوں۔ گھر میں بہن بھائی سب مجھ سے چھوٹے اور ماں کے علاوہ ضعیف دادی ہیں۔" واجد نے بتایا۔

"بیٹے! مشکل وقت آتا تو ہے، لیکن گزر جانے کے لیے۔۔۔ بس ہمت اور حوصلہ رکھو! خدا نے یہ حالات تمہیں آگے بڑھنے کے لیے پیدا کیے۔ میں یہ نہیں کہتا تم وہ نوکری نہ کرو، جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے ہوں۔ ہاں! ایک مدد کر سکتا ہوں میں، اگر تم چاہو۔"

ماسٹر صاحب نے خاموش ہو کر اس کا ردِّ عمل جاننا چاہا۔

"وہ یہ کہ تم ملازمت ضرور کرو اور تعلیم بھی جاری رکھو۔ میں ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ تمہیں امتحانات تک روزانہ تمہارے لیے وقف کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم ماشاء اللہ ذہین اور محنتی بچے ہو، اتنے وقت میں روزانہ بہت اچھی طرح تمام مضامین کی تیاری کر لو گے۔ میں ان شاء اللہ تمہاری تیاری میں مدد کروں گا۔"

ماسٹر صاحب نے دیکھا ایک دَم واجد کی آنکھوں میں انوکھی چمک آ گئی تھی۔

"لیکن ایک شرط ہے، وہ یہ کہ جب تم تعلیم مکمل کر لو گے اور جو کچھ حاصل کرو گے تو ایسے ہی ضرور کسی بچے کی مدد کرنا، جیسا کہ آج اللہ نے مجھے توفیق دی۔"

"ضرور ماسٹر صاحب!" واجد نے مسرّت سے کہا۔

"شاباش! کیوں کہ اسی جاری رہنے والی نیکی کی وجہ سے دنیا کا حسن قائم ہے اور جب نیکی کا یہ سلسلہ رُک گیا تو زمین آسمان پر قیامت آ جائے گی۔"

واجد کا اقرار میں ہلتا ہوا سر دیکھ کر ماسٹر صاحب کے سینے میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ یہ وہ وعدہ تھا جو ان کو ملازمت ملنے پر ان کی ماں نے ان سے لیا تھا اور اب نیکی کا یہ قرض اتار کر واجد کے کندھوں پر ڈال کر کہ سرخرو ہو چکے تھے۔

روبوٹس پر حکومت

آمنہ عبدالباسط

آج وہ بہت خوش تھا، کیوں کہ آج اس کا آخری امتحان تھا، پھر کم از کم دو ہفتوں تک فراعنت ہی فراعنت تھی۔ اس لیے اسکول سے آکر وہ معمول کے مطابق آرام کرنے کے لیے بھی نہ لیٹا۔ وہ جلد سے جلد شام ہو جانے کا منتظر تھا۔ شام کے خیال سے ہی اس کی خوشی دو چند ہوئے جا رہی تھی، کیوں کہ آج دوستوں کے ساتھ فٹبال کھیلنے کا منصوبہ طے شدہ تھا۔

اسی لیے اطمینان سے کھانا کھاتے ہوئے امی جان سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ بہن کے ساتھ شرارت بھی جاری تھی۔

”شام کو کھیل سے واپسی پہ اپنے چچا جان سے مل کر آنا کل بھی یاد کر رہے تھے اور کچھ سامان کی لسٹ تیار کی ہے میرے ساتھ لینے کے لیے چلنا۔“

”ٹھیک ہے امی جان!“ احمد نے فرماں برداری سے جواب دیا۔

فٹ بال کا میچ مکمل ہوا، جیت کی خوشی منا کر اس نے جلدی سے سائیکل اٹھائی اور واپسی کی راہ لی، کیوں کہ وہ یکسر بھول چکا تھا کہ اسے چچا جان سے بھی ملنے جانا ہے! بس یاد تھا تو اتنا کہ اسے امی جان کے ساتھ سامان لینے جانا ہے، وہ اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ وہ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ اسی جلد بازی میں اس کا توازن بگڑا اور وہ لڑھکتا ہوا نیچے جا گرا۔ اس کا سر فٹ پاتھ سے ٹکرایا تو درد کی شدید لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔

تکلیف کی شدّت سے کراہتے ہوئے وہ مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اس کے سر سے خون بہ رہا تھا اور سڑک پر دور دور تک کسی کا نام ونشان نہ تھا۔ اس نے سامنے دیکھا تو بہت سارے چھوٹے بڑے ربورٹ اسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ”رررررر...... بوٹ!“ احمد بڑبڑایا۔ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے تین ربوٹس کو خود پہ جھکے ہوئے پایا۔ آخری خیال جو ذہن میں گونجا وہ یہی تھا کہ آج اس کی موت یقینی ہے اور گھر میں امی جان اس کا انتظار کر رہی ہیں۔

Cleanthe Wounds & Givehim Firstaidimmidiately (زخم صاف کرو اور ابتدائی طبّی امداد دو) ان میں سے ایک ربوٹ نے دوسرے کو حکم دیا اور خود اپنے سامنے خلا میں اپنی دھاتی انگلیوں سے کچھ ٹائپ کرنے لگا، جہاں نیلی سلیٹ نما قدرے بڑی سی سکرین نظر آ رہی تھی۔ جبکہ ایک ربوٹ احمد کو چیک کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرون کیمرے سے اس کی مختلف تصاویر اور ویڈیو ہسپتال میں پہنچانے کے ساتھ لگنے والی چوٹیں scan (سکین) کر رہا تھا۔

ہسپتال کے میٹنگ روم میں چھوٹی بڑی کئی اسکرینیں نصب تھیں، جہاں ہسپتال کا عملہ چاق وچوبند مختلف ہدایات دینے میں مصروف تھا۔ وہیں انھیں احمد کی زخمی حالت میں تصاویر موصول ہوئیں تو ڈاکٹر اسد جلدی سے اسکرین کو بغور دیکھتے ہوئے ملنے والے برقی پیغامات بھی پڑھنے لگے، جیسے ہی انھیں ڈرون کیمرے سے ملنے والی چوٹوں کی نوعیت معلوم ہوئی انھوں نے فوراً احمد کو ہسپتال منتقل کرنے کی ہدایت جاری کیں اور اسکرین پہ yearsoldboyahmad15Opositvebloodgrouprequiredfor (پندرہ سالہ احمد کے لیے اوپوزیٹو بلڈ گروپ کی ضرورت ہے) کا پیغام ٹائپ کر دیا۔ پیغام لکھنے کے ساتھ ہی ہسپتال کے ربوٹ عملے کو نئے مریض کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ چند لمحوں میں ہی بیڈ، ضروری مشینری اور خون کا مطلوبہ سیمپل احمد کے منتظر تھے۔

پیغام پڑھتے ہی بڑے ربوٹ نے دوسرے ربوٹ کے ساتھ مل کر احمد کو ایمبولینس میں منتقل کیا، جسے ایک ربوٹ ہی ڈرائیو کر رہا تھا، جبکہ اس کی تصاویر پہنچانے والا ربوٹ اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھے اس کے دماغی پیغام scan کرنے میں مشغول تھا، جن میں سر فہرست احمد کی امی سے ملنے کی خواہش تھی۔ لہٰذا اب اس ربوٹ کا دوسرا ہدف احمد کے گھر اطلاع پہنچانا تھا۔

ہسپتال منتقلی کے بعد جیسے ہی اس کا ٹریٹمنٹ شروع ہوا تو اس کی امی جان بھی پہنچ گئیں۔ آہستہ آہستہ احمد کو ہوش آنا شروع ہوا تو وہ ”امی جان! امی جان!“ پکارنے لگا۔ اس کی دیکھ بھال پہ مامور نرس نے ربوٹ کو حکم دیا کہ احمد کی والدہ کو اندر بلایا جائے۔ اب ربوٹ نے وہیں کھڑے کھڑے ”احمد کی والدہ اندر آئیں“ کی صدا لگانا شروع کر دی۔

اس کی والدہ فوراً اندر آئیں اور بیٹے کا ماتھا چومنے لگیں، جسے ربوٹ یہ کہہ کر رد کر رہا تھا کہ Do'nt Touch the Patient. He is Sick. Please Stay away مریض کو مت چھوئیں، وہ بیمار ہے۔ براہ مہربانی دور رہیں۔

”اے ہٹو بھئی! تمھیں کیا معلوم بچہ کتنی تکلیف میں ہے۔“ امی جان کی بات پہ نرس اور احمد بے اختیار مسکرا اٹھے۔

”احمد۔۔۔احمد۔۔۔احمد۔۔۔ کون سا خواب دیکھ رہے، جو اتنا مسکرا رہے ہو؟ پانچ منٹ اور مزید لیٹ ہوئے تو کمرۂ امتحان میں جگہ نہیں ملے گی۔“

اپیا نے جگاتے ہوئے اس کے بال بکھرائے تو احمد ہڑبڑا کے اُٹھ بیٹھا اور اپنے ارد گرد کھڑے ربوٹ کو پانی لانے کا حکم دینے کے لیے ڈھونڈنے لگا۔

”چھوٹا ربوٹ کہاں ہے؟“ اس نے نیند بھری آنکھوں سے اپیا سے پوچھا۔

”کون سا ربوٹ؟ کیسا ربوٹ؟ ہوش میں آؤ! دیر ہو رہی ہے۔ امی جان ناشتے کے لیے بلا رہی ہیں۔“

اپیا کے جھنجھوڑنے پہ وہ ایک دَم اُٹھا اور اسے ساری صورتِ حال سمجھ آگئی کہ وہ ایک حسین خواب دیکھ رہا تھا، جہاں ربوٹس ہی کام کر رہے تھے، جبکہ انسان صرف حکم دے رہے تھے۔ ناشتے کے بعد اسکول جاتے ہوئے وہ راستے بھر یہی سوچتا رہا کہ ”اگر واقعی انسانوں کی سرپرستی میں یوں ہی ربوٹس کام کرنے لگ جائیں تو کتنی آسانی ہو جائے گی۔ ڈھیر سارا وقت اور انرجی بچانے کے ساتھ وہ اپنا اسکول بیگ بھی اسی ربوٹ سے اٹھوا کر اسکول آیا کرے گا۔“

تصوّر میں اپنا بیگ ربوٹ کے کندھے پہ لٹکا دیکھ کر ہی اس کی باچھیں کھل گئی تھیں اور خوشی خوشی اسکول کا گیٹ پار کر گیا۔

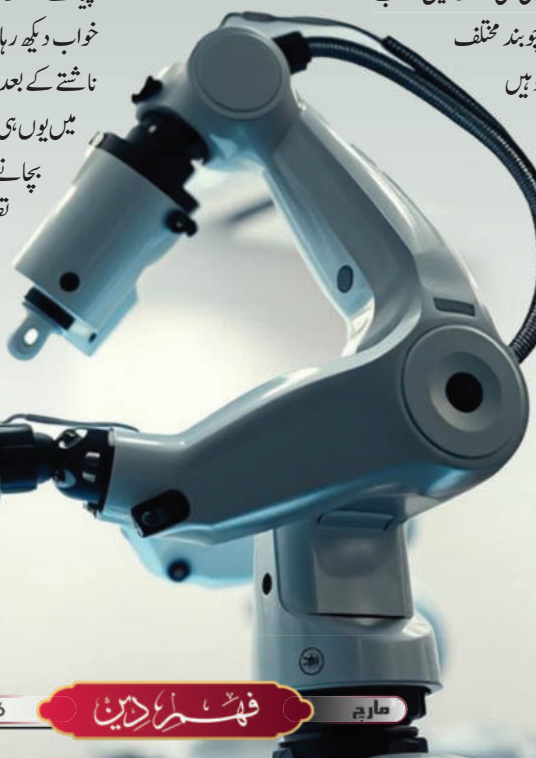

مؤثر حل

تنزیلہ احمد

دور کہیں ایک گھنا جنگل تھا۔ اس میں آسمان سے باتیں کرتے درخت، نایاب جڑی بوٹیاں، ہریالی اور جھیلیں تھیں۔ یہ جنگل انواع واقسام کے جنگلی حیات کا مسکن تھا۔ ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود جانور اپنے مسکن سے محبت کرتے تھے۔

جنگل کا بادشاہ شیر و بہت بہادر، معاملہ فہم اور نڈر تھا۔ سب اس کی خوب عزّت کرتے اور احترام سے پیش آتے۔ شیر و کا مشیر ایک عقل مند اُلو تھا جو اس کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ جانوروں کی بھلائی کے لیے اہم فیصلے کرنے میں وہ ہمیشہ شیر و کی مدد کرتا تھا۔ جانوروں کی کئی نسلیں اپنے مسکن میں خوشی واطمینان سے رہتی آئی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ماحول میں ہونے والی غیر فطری تبدیلیوں نے جنگل پر بھی برا اثر ڈالا تھا۔ اس سے جانور بہت خوف زدہ تھے۔ جنگل کی ہریالی، خوب صورتی اور صاف پانی کی جھیلیں بالآخر ختم ہونے لگی تھیں۔ جانور بھوک سے دن بہ دن لاغر ہو کر مرنے لگے۔ یہ انتہائی پریشان کن صورتِ حال تھی۔

ایک دن، شیر و نے تمام جانوروں کو ایک اہم معاملے پر مشاورت کے لیے بلایا۔ وہ اس تشویش ناک صورتِ حال پر بات کرنا چاہتا تھا، جس کی وجہ سے ان کے مسکن کو سنگین خطرات لاحق تھے۔

جنگل کو خشک سالی کا سامنا تھا اور جانور اپنی بقا کے لیے خوراک اور پانی کی تلاش میں سخت جدوجہد کر رہے تھے۔ اجلاس میں جانوروں کو مسئلے کی بنیادی وجہ تلاش کرنے اور پھر اس کے حل کے لیے بات کرنے کی کھلی دعوت دی گئی تھی۔

"جیسا کہ آپ سب اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہمیں پانی کی قلّت کا سامنا ہے۔ اس سے خوراک کا نظام متاثر ہو رہا ہے۔" الو نے اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"ہمم! یقیناً ایسا ہی ہے۔ پانی زندگی ہے اور ہم آہستہ آہستہ اس سے محروم ہو رہے ہیں۔ شاید اس نعمت کی ہم قدر نہ کر سکے۔" شیر و نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" ریچھ نے سوال پوچھا۔

"نیا مسکن یا کم از کم تازہ پانی کا ذریعہ تلاش کرنا چاہیے" چیتے نے پُر سوچ انداز میں جواب دیا۔

اجلاس کے اختتام پر پانی کی جھیل تلاش کرنے کے لیے جنگل سے باہر جانے پر جانور متفق ہو چکے تھے۔ ہوشیار، سمجھ دار اور چست جانوروں پر مشتمل ایک جماعت بنائی گئی۔ چیتا، زرافہ اور ہاتھی جماعت کا حصہ تھے۔ وہ ایک طویل سفر پر نکل پڑے۔ کئی دنوں کی تلاش کے بعد وہ میٹھے پانی کی جھیل اور ایک خوب صورت نخلستان دریافت کرنے میں کام یاب ہو گئے۔ چیتا، زرافہ اور ہاتھی بہت خوش تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو خوش خبری سنانے کے لیے بے تاب تھے۔ جلد ہی وہ جنگل واپس آ گئے۔ شیر و ان کی دریافت بارے جان کر بہت خوش ہوا۔ جانوروں نے جماعت کی محنت و لگن کی تعریف کی اور دل سے شکریہ ادا کیا۔ سب چاہتے تھے کہ جماعت جلد از جلد انھیں نخلستان لے جائے۔ پورا جنگل جانوروں کی جوش و خروش سے بھری آوازوں سے گونج رہا تھا۔ اپنا اپنا سامان اٹھائے سبھی جانور شیر و کی سربراہی میں نخلستان کی جانب چل دیے۔ اب وہی ان کا نیا مسکن بننے والا تھا۔

نخلستان کا سفر ان کی زندگی کا ایک نیا باب تھا۔ یہ طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ آخر کار جانور اپنی منزل تک پہنچ گئے۔ جب وہ میٹھے پانی کے جھیل سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے، انھوں نے وہاں کچھ جانور اور پرندے دیکھے۔ ہرن، بارہ سنگھا، خرگوش، لومڑ اور توتے۔ نخلستان میں پہلے سے موجود جنگلی حیات نے شیر و کا استقبال کیا اور خوشی خوشی ان سب کو اپنے نئے دوست کے طور پر قبول کر لیا۔

دن ہفتوں میں بدلے اور جانور تازہ پانی اور خوراک سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ وہ کھاتے پیتے، کھیلتے کودتے اور نئی جگہ کو اچھی طرح سے سمجھنے کی کوشش میں لگے رہتے، لیکن یہاں سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ان کے پاس شکار کرنے کا اختیار نہ تھا۔

ایک دن الو نے شیر و سے کہا: "جانور اداس ہیں۔ ان کی زندگی پہلے جیسی نہیں رہی۔ وہ اپنے مسکن سے محروم ہو گئے، جہاں انھوں نے زندگی کے اتنے ماہ و سال گزارے۔"

"میرے محسوسات بھی کچھ ایسے ہی ہیں۔ یہ جگہ اچھی ہے، لیکن ہمارا گھر نہیں۔ ہمارا جنگل سب سے اچھا تھا، لیکن سب نے دیکھا کہ ہمارے پاس کوئی اور حل نہ تھا۔" شیر و افسردگی بھری دھیمی آواز میں بولا۔

وقت گزرتا گیا اور نخلستان میں پانی کی سطح کم ہونے لگی۔ اس حقیقت نے شیر و کو بہت پریشان کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ پانی کا نیا ذریعہ تلاش کیا جائے۔ شیر و نے جانوروں کا اجلاس ایک بار پھر طلب کر لیا۔ ان سب نے اس مسئلے سے نمٹنے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا۔

"میری رائے ہے کہ اس بار ہمیں مستقل حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے" چیتے نے کہا۔

"ہم پہلے ہی پانی کو ضائع نہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، لیکن وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی موجودہ اور مستقبل کی ضروریات کے لیے پانی کو ذخیرہ کیا جائے۔ کیا آپ لوگوں کو یاد ہے کہ ہمارے جنگل میں کتنی بارش ہوتی تھی اور بد قسمتی سے ہم بارش کے پانی کو استعمال اور ذخیرہ کرنے کے قابل نہیں تھے۔" شیر و نے جواب دیا اور سب نے ہاں میں سر ہلا کر اپنے بادشاہ کی تائید کی۔

"میرے پاس ایک حل ہے۔" الو نے کہا۔

"ہمیں اپنے جنگل میں واپس جانا چاہیے اور بارش کے تازہ پانی کو جمع کے لیے کئی چھوٹی چھوٹی جھیلیں اور تالاب بنانے چاہیے۔" الو نے حل تجویز کیا اور تمام جانوروں کو اس کا خیال پسند آیا۔

جنگل میں واپسی جاتے ہوئے اس بار ان کے ساتھ ہرن، بارہ سنگھا، توتے، خرگوش اور لومڑ بھی تھے۔ وہ اپنے دوستوں کو پیچھے مشکل میں نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

جنگل واپس آتے ہی سب خوشی سے کھل اٹھے۔ اک نئے عزم اور جوش و خروش سے انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔

غرور کی جنت

ڈاکٹر الماس روحی

بہت دنوں پہلے کی بات ہے۔ ملکِ عرب میں دو دوست رہتے تھے۔ ایک کا نام انعام اللہ تھا اور دوسرے کا ہدایت اللہ۔ دونوں ایک دوسرے سے گہری محبت رکھتے تھے، مگر حالات نے انھیں مختلف مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔ انعام اللہ امیر تھا اور ہدایت اللہ غریب۔

اللہ تعالیٰ نے انعام اللہ کو دو شاندار باغ عطا کیے تھے۔ یہ انگور کے باغ تھے، جن کے گرد کھجور کے بلند و بالا درختوں کی باڑھ لگی ہوئی تھی اور درمیان میں سبز کھیتیاں لہلہاتی تھیں۔ کھجور کے گچھوں سے نئے پودے اُگ آتے تھے اور انگور کی خوشبو سے بیلیں جھک جھک جاتی تھیں۔ ہر طرف ہرا بھرا منظر ایسا دلکش تھا کہ دیکھنے والے ٹھہر ٹھہر کر اسے دیکھتے رہ جاتے۔

انعام اللہ سمجھ دار اور تجربہ کار کسان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گرم اور خشک آب و ہوا کھجور کے لیے بہترین ہے اور ریتلی زمین میں یہ تیزی سے پھل دیتی ہے۔ اس کے پاس کئی ایکڑ زمین تھی، ہر ایکڑ میں اس نے درجنوں پودے لگوا رکھے تھے۔ پانی کے لیے خادم تھے اور اللہ کی قدرت سے دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر بھی بہتی تھی۔

گرمیوں میں کھجور کی فصل تیار ہوتی اور سارا سال فروخت ہوتی، جب کہ سردیوں میں انگور کی فصل اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ بنتی۔ دونوں پھل برآمدی تھے اور ان میں بڑی برکت تھی۔ اس کے باغ کبھی سوکھتے نہ تھے، ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتے تھے۔

ادھر ہدایت اللہ ایک چھوٹی سی زمین پر محنت کر کے گزارا کرتا تھا۔ زمین زیادہ زرخیز نہ تھی، مگر دل شکر گزار تھا۔

انعام اللہ جب بھی اپنے باغ میں داخل ہوتا، پھلوں اور پھولوں سے لدے درخت دیکھ کر اس کا دل خوشی سے بھر جاتا۔ مگر اس خوشی میں شکر کی بجائے غرور شامل ہو چکا تھا۔ اس کا سینہ تن جاتا، گردن اکڑ جاتی اور وہ فخر سے چلتا پھرتا نظر آتا۔

وہ سمجھتا تھا کہ یہ سب اس کی محنت، ہوشیاری اور تدبیروں کا نتیجہ ہے۔ وہ یہ بھول چکا تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کائنات میں ایک پتّا بھی نہیں ہلتا۔

ایک دن وہ اپنے دوست ہدایت اللہ کے ساتھ باغ میں داخل ہوا اور فخر سے کہنے لگا: ”میں تم سے زیادہ مال دار ہوں، زیادہ عزّت والا ہوں، میرا کنبہ تمہارے کنبے سے بڑا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میری یہ دولت کبھی ختم ہو گی۔ یہ دونوں باغ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے اور مجھے یقین ہے کہ میرے رب نے مجھے آخرت میں بھی بہترین جگہ عطا کرنی ہے۔“

ہدایت اللہ نے نرمی مگر یقین کے ساتھ کہا: ”جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے، میں اس پر شکر ادا کرتا ہوں۔ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تمہیں غرور کی بجائے عاجزی کے ساتھ داخل ہونا چاہیے تھا اور کہنا چاہیے تھا: ماشاء اللہ، لا قوۃ الّا باللہ۔ یہ سب زمین و آسمان کے درمیان اللہ ہی کا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہاری یہ دنیاوی جنّت کسی آزمائش میں نہ بدل جائے۔ ممکن ہے یہ باغ جل کر راکھ ہو جائیں یا نہر کا پانی زمین میں اتر جائے اور تم اسے واپس نہ لا سکو۔ میرے رب کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں۔“ انعام اللہ کو یہ باتیں سخت ناگوار گزریں۔ اس نے ہدایت اللہ کو جھڑک دیا اور کہا: ”تم میری دولت سے حسد کرتے ہو!“

وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ نعمتیں اصل میں اس کے لیے آزمائش تھیں۔

اگلے ہی دن انعام اللہ کی دنیاوی جنّت پر آسمان سے ایک بڑی آفت نازل ہوئی۔ تیز آندھی اور تباہ کن ہوا نے اس کے دونوں ہرے بھرے باغوں کو اُجاڑ کر رکھ دیا۔ پھولوں اور پھلوں سے لدے درخت زمین بوس ہو گئے، کھیتیاں ویران ہو گئیں اور نہر کا پانی بے اثر ہو گیا۔

انعام اللہ ہاتھ ملتا رہ گیا، جس مال و دولت اور محنت پر اسے ناز تھا، سب پر پانی پھر گیا۔ وہ حیرت اور حسرت میں اپنے اُجڑے ہوئے باغوں کو دیکھتا رہا۔

تب اس کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا: ”کاش! میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا۔ کاش! میں اس کی نعمتوں پر غرور نہ کرتا۔ کاش! میں ایسا نہ کرتا۔“ مگر اب یہ صرف حسرت تھی۔

سبق: یہ کہانی ہمیں سکھاتی ہے کہ نعمت شکر مانگتی ہے، غرور نہیں۔۔۔ جو اللہ کی عطا کو اپنی طاقت سمجھے، وہ خسارے میں رہتا ہے اور جو عاجزی اختیار کرے، وہی کام یاب ہوتا ہے۔

جھیلیں بنانے کے لیے انھیں صاف ستھری زمین درکار تھی۔ اس کے بعد ہی زمین کی کھدائی کا عمل شروع ہو سکتا تھا۔ بڑے پتھر ہٹانے کے لیے ہاتھیوں نے اپنی سونڈ کا استعمال کیا۔ ریچھ، زرافے اور دوسرے جانوروں نے ضروری سامان لانے کے لیے کام آپس میں بانٹ لیے۔ بندر لچک دار بیل کو اکٹھا کرنے کے لیے ایک درخت سے دوسرے درخت پر جھولتے رہتے تھے۔ خرگوش نے دوسرے تمام چھوٹے جانوروں کے ساتھ مل کر پورے جنگل میں سرنگیں کھودنا شروع کر دیں۔ جھیلوں کی تیاری بہت مشکل اور تکنیکی کام تھا، لیکن جانوروں نے مل کر شیر واور الو کی نگرانی میں انتھک محنت کی۔ کئی ہفتوں کی محنت کے بعد بالآخر وہ پانی ذخیرہ کرنے کے لیے جھیلیں اور تالاب بنانے میں کام یاب ہو گئے تھے۔

بارش کا موسم شروع ہونے والا تھا۔ اس بار وہ تیز بارشوں کی توقع کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مون سون شروع ہوتے ہی چشمے خود بخود بہنے اور جھیلیں پانی سے بھرنا شروع ہو جائیں گی۔

جب مون سون کی پہلی بارش ہوئی تو سبھی جانوروں کے چہرے کھل اٹھے۔ جنگل میں اور آس پاس سے تازہ پانی سرنگوں اور چشموں سے بہتا ہوا جھیلوں اور چھوٹے تالابوں میں جمع ہونے لگا۔ چند دن تک وقفے وقفے سے برسنے والی بارش کی بدولت پانی کا ذخیرہ مستقل بڑھتا رہا۔ اپنی محنت کا نتیجہ دیکھ کر جانور بہت خوش تھے۔ وہ بارش کے پانی میں نہاتے اور خوب موج مستی کرتے۔ تیراکی کے شوقین جانور تالاب میں ڈبکیاں لگاتے نظر آنے لگے تھے۔ مل جل کر دانش مندی سے انھوں نے سنگین مسئلے کا موثر حل نکال لیا تھا۔ ان کا مسکن آنے والی نسلوں کے لیے اب محفوظ پناہ گاہ تھا۔ سبھی جانور خوش اور مطمئن تھے کہ ان کے بچوں کو خشک سالی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ رفتہ رفتہ جنگل ایک بار پھر ہریالی، جھیلوں اور تالابوں سے بھر گیا تھا۔

ماچس کی تیلی

تحریم عبدالرحیم

"السلام علیکم!" پانچ سالہ فجر باآواز بلند سلام کرتی ہوئی اسکول کے لیے روانہ ہوئی۔ فجر ایک چنچل، شرارتی سی لڑکی تھی۔ اکلوتی ہونے کی وجہ سے تھوڑی ضدی بھی تھی۔ فجر کی امی اسے اسکول بھیج کر کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ فجر کے امتحانات ہو رہے تھے، اس لیے آج کل اسکول سے جلدی چھٹی ہو رہی تھی۔ چھٹی کا وقت قریب ہوا تو شکیلہ بیگم (فجر کی دادی) نے برقع پہنا اور اسے اسکول سے لے آئیں۔ امی گرما گرم پراٹھا، چائے لے آئی اور اسے کھلانے لگی۔

"اللہ اکبر! اتنا پریشان کرتی ہے یہ، روڈ پر بھاگ جاتی ہے۔ خدانخواستہ کسی گاڑی کے نیچے آجاتی تو۔۔۔" شکیلہ بیگم نے پھولی ہوئی سانس سے کہا اور بیٹھ گئیں۔ (سیڑھیاں چڑھنے کی وجہ سے سانس پھولنے لگتی تھی) طوبیٰ (فجر کی امی) ساس کی بات سن کر مسکرا دی۔ ساتھ ہی فجر کو ذرا گھورا جو زبردستی ناشتا ٹھونس رہی تھی۔ ناشتا کروا کر امی کھانا پکانے چلی گئیں۔

"فجر ادھر آؤ!" شکیلہ بیگم نے فجر کو آواز دی۔ فجر اکثر ہی ماچس، چھری وغیرہ اٹھا لیتی تھی جو بچوں کے لیے نقصان دہ ہے، اس لیے شکیلہ بیگم نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔

"جی دادو!" فجر نے پوچھا۔ چلو آؤ شاباش! میں تمہیں ایک سچی کہانی سناتی ہوں۔

"واؤ!" فجر خوشی، خوشی دادی کے پاس بیٹھ گئی۔

یہ ایک تین منزلہ عمارت ہے، جہاں دو خاندان آباد تھے۔ زاہد علی کے پانچ لڑکے تھے۔ دو بڑے بچے شادی شدہ تھے۔

گھر کے مرد کام پر گئے ہوئے تھے۔ عورتیں گھر کے کاموں میں مشغول تھیں اور بچیاں کھیل میں مصروف تھیں۔ "ہانیہ، وانیہ چلو! ہم چھت پر کھلنے چلتے ہیں۔" حوریہ نے اپنی چچازادوں سے کہا۔ چار سالہ نساء کو بھی اٹھا لیا۔ ہانیہ وانیہ بھی چل دیں۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تینوں کے ذہن میں شرارت چمکی اور ایک دوسرے کو مسکراتے ہوئے دیکھا، ماچس اٹھائی، جو زینے پر گیزر کے پاس رکھی ہوئی تھی۔

"ہم ماچس جلا کر پھینکیں گے۔" حوریہ نے کہا۔

تینوں نے ماچس جلائی اور پھینک دی، یوں تینوں کو مزہ آنے لگا۔ نساء اشتیاق سے بہنوں کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک ہانیہ کے کپڑوں نے آگ پکڑ لی۔ پھوء وو پھوء۔۔۔ وانیہ نے ہانیہ کے کپڑوں پر پھونک ماری۔ ہانیہ خوف زدہ ہو کر ادھر، ادھر بھاگنے لگی۔ اسے آگ لگی دیکھ کر نساء چیخ چیخ کر رونے لگی۔ قمیص جل کر جسم سے چپک گئی تھی، آگ بجھ نہیں رہی تھی۔

حوریہ نے ہانیہ کو پکڑا اور زینہ اترنے لگی۔

"مما مم!! ہانیہ تکلیف سے چیختی ہوئی ماں کو آواز دے رہی تھی۔"

"مما! یہ دیکھیں آگ لگی ہے۔ مما پلیز بجھائیں۔" حوریہ نے روتے ہوئے آواز لگائی۔

عورتیں، بچوں کی چیخ سن کر گھبرائی ہوئی آئیں۔ ہانیہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ گھر کے مردوں کو فون ملایا، ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ اسپتال لے کر بھاگے، ہانیہ کی امی مہک کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے فوراً علاج شروع کر دیا، لیکن ہانیہ بری طرح جل چکی تھی۔ چہرہ، تھوڑے سے ہاتھ اور پاؤں بچے تھے۔

"ہانیہ ٹھیک ہو جائے گی نا؟" زاہد علی کی بیگم نے پوچھا۔

ڈاکٹر نے تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔ زاہد علی خاموش نظروں سے بیگم کو دیکھنے لگے۔

مہک اور ارسل (ہانیہ کے بابا) سے ہانیہ کو دیکھا نہیں جاتا تھا۔ جب اس کی ڈریسنگ کی جاتی، ہانیہ تکلیف و اذیت سے چیختی تھی۔

اور پھر ہانیہ کا انتقال ہو گیا۔

"پندرہ دن اس نے بہت تکلیف میں گزارے تھے۔" شکیلہ بیگم نے پلو سے آنکھ کا کنارا صاف کرتے ہوئے کہا۔

فجر اداسی سے دادو کو دیکھ رہی تھی۔

"بیٹا! آگ اچھی چیز بھی ہے اور بری چیز بھی۔ یہ کھانا پکانے کے علاوہ کئی کام آتی ہے، لیکن آگ خطرناک اتنی ہے کہ انسانوں، عمارتوں کو جلا کر راکھ کر دے۔ اس لیے آپ کو الٹی، سیدھی شرارت سے منع کرتے ہیں۔" شکیلہ بیگم نے فجر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"دادو! اب نہیں کروں گی۔" فجر نے خوف کے ملے، جلے تاثرات سے کہا۔

شکیلہ بیگم نے شکر ادا کیا کہ فجر نے ماچس کے کھیل سے توبہ کر لی۔ فجر کو بات سمجھ آگئی تھی۔ شکیلہ بیگم نے سکون کا سانس لیا۔

ایثار

مریم رضوان

بابرکت رمضان کی شام تھی۔ آسمان پر ہلکی سی سرخی پھیل رہی تھی اور گھر میں افطار کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ امی نے دسترخوان پر کھجوریں رکھی تھیں، پانی کے گلاس قطار میں تھے اور گرم پکوڑوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔

احمد خاموشی سے دسترخوان کے پاس بیٹھا۔ روزے کی تھکن چہرے سے جھلک رہی تھی، مگر دل میں ایک عجیب سی خوشی تھی۔ آج اس کا پہلا روزہ تھا اور اس نے پورا رکھا تھا۔ بار بار گھڑی کی طرف دیکھتا اور اذان کے انتظار میں دل ہی دل میں دعا کرتا۔

امی نے پیار سے کہا: "بس تھوڑی دیر ہے، پھر افطار ہو جائے گا۔"

اتنے میں دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ امی نے دروازہ کھولا تو باہر ایک غریب سا بچہ کھڑا تھا۔ اس کے کپڑے سادہ تھے اور آنکھوں میں جھجک تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا: "خالہ... افطار کے لیے کچھ مل جائے گا؟" یہ سن کر احمد چونک گیا۔ اس کی نظر دسترخوان پر پڑی۔ پکوڑے، کھجوریں، سب کچھ۔ دل میں خیال آیا: میں خود بھوکا ہوں، اگر میں نے دے دیا تو؟ ایک لمحے کے لیے دل میں کشمکش ہوئی۔ پھر اس نے اپنی پلیٹ اٹھائی، ہلکی سی ہچکچاہٹ کے بعد مسکرا کر اس بچے کی طرف بڑھا دی۔

"یہ لے لو، اذان ہونے ہی والی ہے۔" غریب بچے کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اس نے پلیٹ لی اور دھیرے سے کہا: "جزاک اللہ!" اور چلا گیا۔

اسی وقت مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی: "اللہ اکبر، اللہ اکبر..." احمد واپس اپنی جگہ آ بیٹھا۔ اس کے پاس اب کم کھانا تھا، مگر دل پہلے سے کہیں زیادہ مطمئن تھا۔ اس نے کھجور اٹھائی، دعا پڑھی اور افطار کیا۔

آج پانی کا پہلا گھونٹ اسے سب دنوں سے زیادہ میٹھا لگا۔

امی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا: "بیٹا، آج تم نے افطار ہی نہیں کیا، ایک نیکی بھی کمائی ہے۔" بچہ مسکرا دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ افطار صرف کھانے کا نام نہیں، افطار دوسروں کو یاد رکھنے کا نام ہے، اور بانٹنے سے نعمت کم نہیں ہوتی، بڑھتی ہے۔

اے اللہ! ہمیں ان بچوں میں شامل فرما جو اپنی خوشیوں میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ ہمیں بانٹنے والا دل عطا فرما، اور ہمیں رمضان کی سچی سمجھ نصیب فرما۔

بچوں کے فن پارے

ابراہیم محسن 11 سال فورٹ عباس

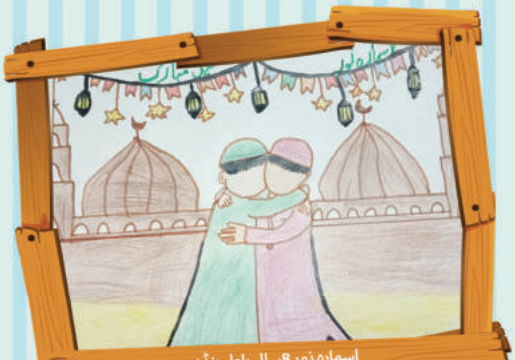
اسمارہ نور 8سال راول پنڈی

تحریم فاطمہ 11 سال جہلم

تاشفین حماد چھ سال کوئٹہ

رمیصا فاطمہ ،پہلی ،8سال حیدر آبادریاست تلنگانہ ،ہندوستان

فاطمہ 13 سال ، اسلام آباد

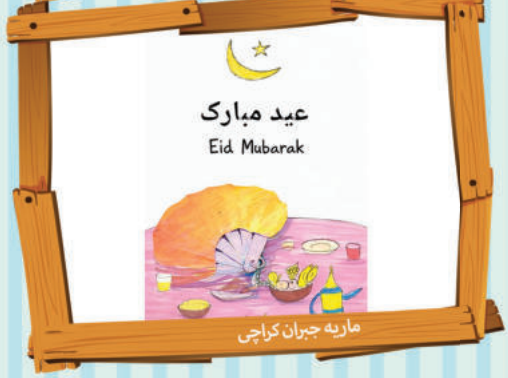

ماریہ جبران کراچی

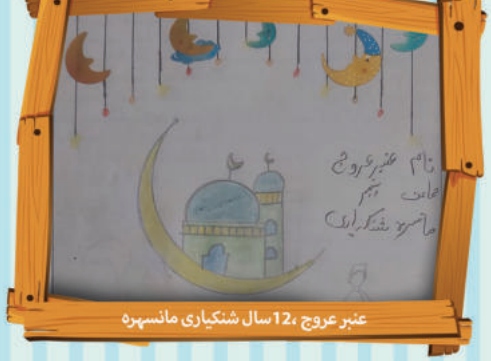
عنبر عروج ،12سال شنکیاری مانسہرہ

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ کراچی سے ماریہ جبران کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

چھوٹی بات بڑا پیغام

آپ مارچ 2026ء کا میگزین پڑھ رہے ہیں، اس مہینے میں رمضان کی برکات اور شب قدر جیسی عظیم نعمت کے ساتھ عید کی خوشیاں بھی ملیں گی۔ عید دراصل خوشیوں، محبتوں اور شکرانے کا دن ہے۔ یہ وہ خوبصورت موقع ہے جب ہم نئے کپڑے پہنتے ہیں، عید کی نماز ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں رمضان جیسے بابرکت مہینے سے نوازا۔ بچوں کے لیے عید خاص طور پر خوشی کا پیغام لاتی ہے — عیدی ملتی ہے، رشتے داروں سے ملاقات ہوتی ہے اور میٹھی میٹھی سویاں سب کو بھاتی ہیں۔

لیکن پیارے بچو! عید صرف نئے کپڑوں اور عیدی کا نام نہیں، بلکہ دوسروں کو خوش کرنے کا بھی دن ہے۔ اپنے ارد گرد اُن بچوں کو یاد رکھیں جو شاید نئے کپڑے نہ لے سکیں۔ اگر ان کے ساتھ عید سے پہلے عید کی تیاری میں مدد کر سکیں، اُن کے ساتھ مسکرا کر ملیں اور عید کے روز اپنی خوشی میں اُنہیں بھی شریک کریں۔ یہی اصل عید ہے — محبت بانٹنے اور دل جیتنے کا کام کرنے سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں اور مزید نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

فروری 2026ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے محمد ہادی انعام کے حق دار ٹھہرے ہیں۔

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجنا ہوں یا فن پارہ، اپنا نام، عمر، کلاس اسکول / مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ بھیجنے کے لیے ای میل اور وٹس ایپ نمبر نوٹ کر لیں:

tabeer1387@gmail.com

+923351135011

ماہنامہ فہم دین مارچ 2026ء کے سوالات

سوال 1: سرمد کا ربڑ کہاں سے ملا؟

سوال 2: مسجد میں پڑھی جانے والی نماز کا اجر گھر میں پڑھی جانے والی نماز سے کتنا زیادہ ہے؟

سوال 3: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دور صحابہ کے کتنے بڑے مفتیوں میں شمار کیا جاتا ہے؟

سوال 4: زریون نے رمضان المبارک میں کتنے روزے رکھے؟

سوال 5: انابیہ اور مرتضیٰ کس کو گھر لانے کی ضد کر رہے تھے؟

یہ سوالات فروری 2026 کے فہم دین سے لیے گئے ہیں۔ جوابات کی آخری تاریخ 12 مارچ ہے

فروری 2026ء کے سوالات کے جوابات

1-اس کے ابو کا دوست

2-انسانوں کی دنیا میں جانے کی۔

3-جب ہم اختلافات کو بھلا کر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔

4-کاربن ڈائی آکسائیڈ

5-1025ء

کرے مبارک یہ عید۔۔۔ اللہ

حافظ وسطی چودھری

تبارک اللہ تبارک اللہ، کرے مبارک یہ عید، اللہ
بنے نہ ہرگز وعید تم پر، بنائے اِس کو سعید، اللہ

اجالا پھیلا ہے آسماں پر، فضا میں کتنا ہے نور بکھرا
ہوا کے لب بھی ہیں مسکراتے، گلوں کا دیکھو ہے رنگ نکھرا
زمینِ دل پر ہیں الفتوں کے حسین دل کش سے پھول مہکے
سماعتوں کی فصیل پر بھی، ہیں خوشیوں کے ہی پرندے چہکے
کہ جھومتا ہے ہر ایک پتا، لہک رہی ہے ہر ایک ٹہنی
سنہری ہر اک کرن نے بھی آج، چاہتوں کی قبا ہے پہنی
تبارک اللہ تبارک اللہ، کرے مبارک یہ عید، اللہ
بنے نہ ہرگز وعید تم پر، بنائے اِس کو سعید، اللہ

سحر کی ٹھنڈی ہتھیلیوں سے، دعا کی خوشبو نکل رہی ہے
جمی تھی جذبوں پہ برف جو بھی، وہ رفتہ رفتہ پگھل رہی ہے
سکون، فرحت، نشاط نے تو، بدل دیے ہیں سبھی نظارے
یہ جھلملاتے سے آنچلوں میں، دھنک کے اترے ہیں رنگ سارے
صبا نے عنبر کا ہاتھ تھاما، کیا معطّر ہے بام و در کو
جمال بخشا عجب ہے فطرت نے دیکھنے والی ہر نظر کو
تبارک اللہ تبارک اللہ، کرے مبارک یہ عید، اللہ
بنے نہ ہرگز وعید تم پر، بنائے اِس کو سعید، اللہ

محبتوں کی ہے چاشنی اور ذائقے ہیں حلاوتوں کے
وفا کے دھاگوں سے ہی جڑے ہیں، یہ سلسلے بھی رفاقتوں کے
دعا ہے وسطی کی اپنے رب سے، کسی کی آنکھیں بھی نم نہ ہوں اب
عطا ہو ہر دل کو شادمانی، کسی کے دامن میں غم نہ ہوں اب
بصارتیں بھی قرار پائیں، ملے خوشی کی نوید، اللہ
نگاہوں سے ہیں جو دور پیارے، کرا دے اُن کی بھی دید، اللہ
تبارک اللہ تبارک اللہ، کرے مبارک یہ عید، اللہ
بنے نہ ہرگز وعید تم پر، بنائے اِس کو سعید، اللہ

مبارک عید ہو پیارو!!

حافظہ سویرا چودھری

افق پر چاند ہے نکلا یہ پل ہے مسکرانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا

خدا نے اپنے بندوں پر ہے فضلِ عام فرمایا
گھڑی دے کر مسرت کی حسیں انعام فرمایا
ملا یہ دن ہے تحفے میں، سبھی خوشیاں مناتے ہیں
فضائیں گنگناتی ہیں، پرندے چہچہاتے ہیں
یہ آیا خاص موقع ہے گلے ملنے ملانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا
افق پر چاند ہے نکلا یہ پل ہے مسکرانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا

تمہارے پھول سے چہروں پہ زردی یہ نہیں بھاتی
ہنسو دل سے، کہاں یہ عید ہے ہر روز ہی آتی؟
بھلا ماتھے پہ یہ گہری شکن کیوں کر سجائی ہے؟
طبیعت اتنی بوجھل تم نے آخر کیوں بنائی ہے؟
نہیں یہ وقت ہے سب سے یوں کٹ کر بیٹھ جانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا
افق پر چاند ہے نکلا یہ پل ہے مسکرانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا

حزیں ہو آج بھی بیٹھے، تم آنسو بھی بہاتے ہو؟
بہار اتری ہے آنگن میں، خزاں کو کیوں بلاتے ہو؟
نہیں لازم ہے کپڑوں پر، ہزاروں ہی لٹا دو تم
میسر جو بھی جوڑا ہو، اُسے تن پر سجا لو تم
سلیقہ سیکھ لو نا اب تو خوشیوں کو منانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا
افق پر چاند ہے نکلا یہ پل ہے مسکرانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا

جو تم سے دور بیٹھے ہیں خبر اُن کی بھی لے لو تم
جو تم سے روٹھ بیٹھے ہیں اُنہیں آواز دے لو تم
عجب ہی لطف آتا ہے انا کا بُت گرانے میں
سویرا عید تو اپنوں کے ہے بس مان جانے میں
بھلا دو ہر گلہ شکوہ، جو ہے بیتے زمانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا
افق پر چاند ہے نکلا یہ پل ہے مسکرانے کا
مبارک عید ہو پیارو! یہ دن ہے کھلکھلانے کا

قلم پارے

ترتیب: محمود سیماب

مختصر و پُراثر تحریروں کا سلسلہ، اس ماہ حیدر آباد سے شمائلہ شکیل کا افسانچہ پیمانۂ خوشی انعامی قرار پایا ہے

حقیقی خوشی کس کی؟

فرحت حامد کراچی

عید صرف نئے کپڑے پہننے اور لذیذ پکوان کھانے کا نام نہیں، بلکہ یہ ان لوگوں کے لیے یومِ انعام ہے، جنہوں نے پورا مہینہ اللہ کے احکامات کی پاسداری کی۔ حقیقی خوشی اس شخص کی ہے جس کا رمضان قبول ہو گیا اور جس کے تقویٰ میں اضافہ ہوا۔ سوچنا جانچنا اور پرکھنا یہ ہے کہ کیا ہماری عید ہمیں اللہ سے قریب کر رہی ہے؟

اللہ کے گھر ڈیرہ

فہیم رشید

اعتکاف کا مقصد دل کو دنیا کی ہماہمی سے کاٹ کر اللہ کے گھر میں ڈیرہ ڈال لینا ہے۔ یہ صرف ایک سنت نہیں، بلکہ رب سے لو لگانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر پورے دس دن ممکن نہ ہوں تو نفلی اعتکاف کی نیت کر کے مساجد میں وقت گزاریں اور سکونِ قلب پائیں۔

چاند رات کا لطف

عاصمہ لئیق

چاند رات انعام بٹنے کی رات ہے، مگر افسوس! کہ ہم اسے بازاروں کی رونقوں، شور و غل اور خرافات میں گنوا دیتے ہیں۔ اس رات کو اگر ہم فضول گھومنے پھرنے کی بجائے ذکر و اذکار سے روشن کریں۔ اپنی نظروں کی حفاظت کریں اور توبہ کے ذریعے اپنے دل کے چاند کو گناہوں کی سیاہی سے پاک کر کے منوّر بنائیں۔ عبادت کی یہ ایک رات ہماری عید کا نور دوبالا کر دے گی۔

حسنِ اخلاق

اِشمل تسلیم کراچی

گھر کا ماحول افراد سے بنتا ہے۔ کسی ایک فرد کی بداخلاقی تمام چہروں کی مسکراہٹ سلب کر لیتی ہے اور دلوں کو رنجیدہ کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس، سب افراد کا خوش مزاج ہونا اور صبر و تحمل کو اپنا لینا ایک خوش باش گھرانے کی تشکیل کا باعث بنتا ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارے الفاظ نشتر نہ بنیں، آواز بلند نہ ہو، مزاج کی تلخی آنسوؤں کا سبب نہ بنے۔ کیوں کہ ہمارا آج مستقبل کی یادیں تراشتا ہے۔ ہمارے اخلاق صرف آج پر اثرانداز نہیں ہوتے بلکہ مستقبل کی یادیں بھی آلودہ کر دیتے ہیں۔ یاد کو خوب صورت بنانا ہو تو سیرت خوب صورت بنانا چاہیے۔

پیمانۂ خوشی

شمائلہ شکیل

"چائے پی کر برتن بھی اٹھا لیا کرو!۔۔۔ یہ تولیہ یہاں کیوں پھینکا ہے؟" آج رمیسہ کا موڈ سخت خراب تھا، اسے بات بے بات غصہ آ رہا تھا۔ اسی لیے وہ بچوں پر برس رہی تھی۔

"زین، احمد! تم دونوں موبائل بند کرو اور جا کر پودوں کو پانی دو۔" تیور تیکھے تھے۔ ان دونوں نے کھسک جانے میں ہی عافیت جانی۔

"آپ کب تک اخبار پڑھتے رہیں گے؟ یہ لسٹ پکڑیں اور سامان لے کر آئیں۔" اب توپوں کا رُخ میاں کی جانب ہو چکا تھا۔

"بیگم آج چھٹی ہے، دوپہر کے کھانے میں کچھ خاص ہونا چاہیے۔" ارشد صاحب اخبار طے کرتے، اس کی بات نظرانداز کیے بولے۔

"دال چاول بنا لوں گی۔" بلاتامل جواب آیا۔ وہ اسے خفگی سے دیکھ کر رہ گئے۔ ایک جیسی لگی بندھی روٹین رمیسہ میں چڑچڑاپن پیدا کر دیا کرتی تھی۔

◆◆◆

دوپہر دو بجے کے قریب ارشد صاحب دونوں ہاتھوں میں سامان اٹھائے اندر داخل ہوئے تو گھر، بریانی کی اشتہا انگیز خوشبو سے مہک رہا تھا۔ رمیسہ خوش گوار موڈ میں بچوں سے گپیں لگا رہی تھی۔ وہ اس کا یا پلٹ پر حیران ہی ہو رہے تھے کہ رمیسہ کی کھنکتی ہوئی آواز سماعتوں سے ٹکرائی: "آپ کو پتا ہے، آج نیچے والوں (دیور اور دیورانی) کی بہت لڑائی ہوئی۔"

"اووووہ۔۔۔!" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اب ساری گتھی سلجھ چکی تھی۔

عید مبارک

زینب ناز حیدر آباد

عید کے دن اپنے ان رشتے داروں کو خاص طور پر یاد رکھیں جن سے کوئی رنجش ہو۔ ایک فون کال یا ایک چھوٹی سی ملاقات برسوں کی دوریاں ختم کر سکتی ہے۔ اسلام ہمیں جوڑنے کا سبق دیتا ہے۔ آئیے! اپنی خوشیوں میں غریبوں اور مسکینوں کو شریک کریں، تاکہ ہماری عید صحیح معنوں میں "مبارک" ہو جائے۔

شاباش!!

عالیہ آفتاب

رمضان رخصت ہو رہا ہے، لیکن اس کی تربیت باقی رہنی چاہیے۔ آخری عشرہ ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ نیکی کی دوڑ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اپنی ہمت جمع کریں، صدقہ فطر ادا کریں اور ان آخری لمحات میں ایسی پکی ٹھکی توبہ کریں کہ جب عید کا چاند نظر آئے تو ہم گناہوں سے پاک ہو چکے ہوں۔۔۔ لیکن ٹھہریے!! کیا چاند رات سے پھر گناہ شروع کریں گے؟ نہیں نا!! شاباش!!

ہزار مہینوں سے افضل

منیبہ احمد لاہور

شبِ قدر اللہ کا وہ عظیم تحفہ ہے جس کی ایک رات کی عبادت 83 سال 4 ماہ سے بہتر ہے۔ یہ رات غفلت میں گزارنے کی نہیں بلکہ گڑگڑا کر اپنے رب کو منانے کی ہے، جس نے اس رات کی خیر کو پالیا، اس نے گویا پوری زندگی کی بھلائیاں سمیٹ لیں۔ عرفِ عام میں اس کو جاگنے کی رات کہا جاتا ہے، لیکن جاگ کر وہ کام کم ہی کیا جاتا جس کا حکم ہے اور اس کے علاوہ سارے کام کر لیے جاتے ہیں۔

آئیے کمر کس لیں!!

رشید اللہ کراچی

رمضان کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی کا پروانہ ہے۔ ہمارے نبی ﷺ ان آخری ایّام میں عبادت کے لیے کمربستہ ہو جاتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ یہ وقت بازاروں کی نذر کرنے کا نہیں بلکہ اعتکاف، تلاوت اور دعاؤں کے ذریعے اپنے تعلقِ باللہ کو مضبوط کرنے کا ہے۔ آئیے! ہم بھی سنتِ نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے کمربستہ ہو جائیں۔

کیا خبر!!

میمونہ انعام، ایبٹ آباد

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا: "یا رسول اللہ! اگر مجھے شبِ قدر کا معلوم ہو جائے تو کیا مانگوں؟" آپ ﷺ نے سکھایا: "اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، پس مجھے معاف فرمادے۔" سجدوں میں گر کر اس دعا کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، کیا خبر یہی رات ہماری زندگی کا رُخ بدل دے۔

ذرا مسکرائیے۔۔۔!!

عید کے دن جہاں دستر خوان پر شیر خرما سجا ہو، وہاں اپنے چہرے پر "مسکراہٹ" بھی ضرور سجائیں۔ بعض لوگ عید پر بھی ایسے سنجیدہ بیٹھے ہوتے ہیں، جیسے کسی سے لڑ کے آئے ہوں یا لڑنا چاہتے ہوں۔ یاد رکھیں! خوش اخلاقی اور مسکراہٹ بھی سنت ہے۔ اگر عیدی کم ملے تو اداس نہ ہوں، دینے والے کی نیت دیکھ کر مسکرادیں! ہو سکتا ہے آپ کی مسکراہٹ دیکھ کر وہ مزید جیب ڈھیلی کر دے۔

مجھے معلوم نہیں

انتخاب: محمد زمان فیصل آباد

ہر معاملے میں ہم کوئی موقف ضرور دیں۔ ہر سوال کا جواب ہمارے پاس ضرور ہو۔

ہم اپنے شعبے میں تمام تر رموز سے واقف ہوں۔

کتنی خوب صورت ہے یہ بات: "مجھے نہیں معلوم۔"

کتنا دل نشیں ہے یہ جملہ: "یہ میرے دائرہ کار سے باہر ہے۔"

اور کتنا اطمینان ہے اس اقرار میں: "یہ مسئلہ میرے شعبے سے متعلق نہیں۔"

انسان کی عظمت اُس کی حقیقت پسندی میں ہے، اپنی حدود کو پہچاننے میں ہے اور یہ جاننے میں ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے اور کب رکنا چاہیے۔

BAITUSSALAM

خدماتِ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

ایک نظر میں

تحریر: خالد معین

- عربی میڈیم مونٹیسوری، مسجد اسکول، حفظ قرآن، درس نظامی، اسٹم اسکول، دینی علوم میں اسپیشلائزیشن، او، اے لیول، میٹرک، ایف ایس سی میں پچاس ہزار طلبہ کی اسکالرشپ، انٹیلکٹ اسکول و کالج اپنی مثال آپ ادارے ہیں
- سستی روٹی، پکا پکایا کھانا، فراہمی آب، راشن، سحری افطاری، صدقے، عقیقے اور قربانی کے گوشت سے لاکھوں افراد مستفید، لباس، کمبل، ضروری سامان اور نقد رقم سے ہزارہا افراد کی خدمت جاری رہتی ہے
- فری طبّی و آئی کیمپ، ایمبولینس، وینٹی لیٹر، آئی سی یو سے آراستہ موبائل ہسپتال، عالمی معیار کی حامل لیبارٹری اور ماہر ڈاکٹروں کی خدمات فراہم کیے او پی ڈی کلینک سے لاکھوں افراد فائدہ حاصل کر رہے ہیں
- ٹیکنیکل تعلیم اور فراہمی روزگار کے متعدد منصوبے، رفاہی خدمات کے بیسیوں شعبہ جات مصروفِ عمل، متاثرینِ قدرتی آفات کی دیکھ بھال، نونہالانِ ملت کی تربیت کے فکر انگیز متعدد پروگرام
- کمیونٹی سروس کے زیر اہتمام وانتظام تعمیرِ مساجد، سفید پوش گھرانوں کے لیے شادی پیکج، ویل چیر، ایمبولینس، میت کی تجہیز و تکفین کے معاملات اور دیگر معاشرتی امور کی خدمات، یہ شعبہ ہمہ وقت فعال رہتا ہے

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

سستی روٹی پراجیکٹ

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

5 روپیہ صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J.Fragrances.Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed